حکومت پنجاب کی طرف سے تعلیمی اداروں اور پبلک لائبریریز کے لیے منظور شدہ

ماہنامہ پیام اسلام آباد

فروغِ فکر و آگہی کے لیے

جلد 25 شمارہ 7-8

ABC سے تصدیق شدہ اشاعت

Regd. No. ID 311

جولائی/اگست 2022 | ذی الحجہ/محرم الحرام ۴۳-۱۴۴۴ھ

ISSN 1562-0018

مدیر اعلیٰ: ثاقب اکبر

مدیر: سید نثار علی ترمذی

مینجنگ ایڈیٹر: مرتضیٰ عباس

انچارج پبلی کیشنز: عرفان حسین

مجلس ادارت

- ڈاکٹر محمد طفیل
- ڈاکٹر محسن مظفر نقوی
- ڈاکٹر شہزاد اقبال شام
- ڈاکٹر ناصر زیدی
- مفتی امجد عباس
- ڈاکٹر سید علی عباس نقوی

مجلس مشاورت

- پروفیسر فتح محمد ملک
- پروفیسر ڈاکٹر قبلہ ایاز
- پروفیسر ڈاکٹر احسان اکبر
- سید ضیاء اللہ شاہ بخاری
- پیر غلام رسول اویسی
- پروفیسر ڈاکٹر سفیر اختر
- نعیم الحسن نقوی
- صاحبزادہ امانت رسول
- سید اعجاز حسین رضوی
- سید اسد عباس
- ڈاکٹر وقار حیدر نقوی
- ڈاکٹر ندیم عباس بلوچ

ڈیزائننگ	کمپوزنگ
حیدر نقوی	اکرام حسین

شمارہ ہذا: -/150 روپے زر سالانہ -/1000 روپے

زر سالانہ امریکہ، کینیڈا، یورپ -/190 ڈالر

مڈل ایسٹ -/90 ڈالر

PO Box No 416
Islamabad
051-2218005
+92 306 5566771

publications@albasirah.com
www.albasirah.com

ukhuwat@gmail.com
murtaza@albasirah.com

کرنل (ر) اعجاز حسین نے شجاع سنز آبپارہ اسلام آباد سے چھپوا کر البصیرہ شاہ اللہ دتہ اسلام آباد سے شائع کیا۔

اجمال پیام

ادار یہ	مدیر	۳

معارف

مطالعہ قرآن	ڈاکٹر محسن نقوی	۵
حضرت ابرہیم علیہ السلام	مولانا رمیز الحسن موسوی	۷
کربلا، درس گاہ انسانیت	مولانا فدا حسین بخاری	۲۳
امام حسین علیہ السلام مولانا طارق جمیل کی نظر میں	ثاقب اکبر	۳۶
فلسفہ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام	مفتی محمد فاروق علوی	۴۳
مرثیہ تاریخ سے تجربہ کی طرف	علامہ مرتضیٰ حسین صدر الافاضل	۴۷
کربلائی جوان کی خوبیاں	ڈاکٹر سید علی عباس نقوی	۵۱
قافلہ حسین آ پہنچا۔فتقدم	اسد عباس	۵۵

شخصیات

حضرت عبداللہ شاہ غازی	علامہ سید احمد حسین الحسینی	۵۸

کتابیات

کتابیات امام حسین علیہ السلام	سید نثار علی ترمذی	۶۶

شعرو سخن

سلام بحضور امام عالی مقام	وزیر الحسن عابدی	۷۲
مرثیہ سے انتخاب	شوکت علی تھانوی	۷۶

پیام حاضر

حالات بدلنے میں دیر کتنی لگتی ہے، اس کا اندازہ ملک خداداد پاکستان کے بدلتے ہوئے حالات سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس پر مزید بات نہیں کرنی ہے ورنہ تو بات کہیں سے کہیں جا پہنچے گی۔ قارئین اپنی اپنی رائے رکھنے اور اظہار کا حق رکھتے ہیں کیونکہ ان تبدیلیوں کے اثرات ہر جگہ پر مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔

دو ماہ کا مجلہ ''پیام'' یکجا ہو کر پھر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس اشاعت میں کوشش کی ہے کہ طے شدہ موضوعات پر مضامین آپ کے مطالعہ کے لیے پیش ہوں۔ آپ کی آراء، تجاویز ہمارے لیے اہم ہوتی ہیں ان مضامین کے مطالعہ کے بعد اپنی مفید آراء کا اظہار ضرور کیجیے گا۔

یہ مجلہ جب آپ کے ہاتھوں میں ہوگا تو نئے ہجری سال کا آغاز ہو چکا ہوگا۔ محرم الحرام ہجری کیلنڈر کا پہلا مہینہ ہے۔ دنیا کے رواج کے مطابق نئے سال کا آغاز خوشی و مسرت کے اظہار کے ساتھ کیا جاتا ہے جب کہ مسلمان اسے برعکس مناتے نظر آتے ہیں۔ یہ ایک علیحدہ بحث ہے کہ اسلام میں خوشی منانے کا کیا انداز ہے مگر یہ اتفاق ہے کہ خوشی سے مراد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور اس کی معصیت سے اجتناب میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روایات میں اس ماہ کے کئی اعمال ملتے ہیں جن کی بجا آوری سے قرب الٰہی کی طرف بڑھا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں ایک بار پھر نئے ہجری سال میں قدم رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ کتنے ہمارے ساتھی جو گذشتہ برس ان دنوں ہمارے ساتھ تھے آج منوں مٹی کے نیچے جا چکے ہیں۔ اللہ امت محمدیہ کے مرحومین کو مغفرت عنایت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ سال انسانیت بالخصوص امت محمدیؐ کے لیے خیر و برکت کا سال ثابت ہو۔ آمین

مفکر پاکستان علامہ محمد اقبالؒ کے مشہور شعر نے ہجری سال کے اختتام کو اور آغاز کو قربانی سے نسبت دی ہے کہ

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حُسینؑ، ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

مولانا محمد اسحاق مرحوم نے بھی اسی موقف کی تائید کی ہے کہ اسلام ایثار و قربانی کا دین ہے۔ سال کا آخری مہینہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری پھیرنے سے ہوتا ہے اور آغاز سال نواسۂ رسول حضرت امام حسینؑ کی بے نظیر قربانی سے ہوتا ہے، جسے قرآن مجید ذبح عظیم سے تعبیر کرتا ہے۔ بقول مولانا مودودیؒ: اگر اسلامی حکومت میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو سوائے امام حسین علیہ السلام کے عمل و کردار کے اور کوئی نمونہ اسلام میں موجود ہی نہیں ہے۔ یعنی بگاڑ سے لاتعلقی کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے بلکہ اصلاح کے لیے انتہائی قریبی عزیزوں کی جان کا نذرانہ پیش بھی کرنا پڑے تو اس سے گریز نہ کیا جائے۔ اس سے ایک اسلامی نظام کے قیام کی اہمیت بھی آشکار ہوتی ہے اور ایک مسلمان کی ذمہ داری کا بھی تعین ہوتا ہے۔ ماضی کے مشہور عالم دین علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم نے واقعہ کربلا کو ختم نبوت کی ایک دلیل کے طور پر پیش کیا کہ اگر کسی اور نبی نے آنا ہوتا تو امام حسین علیہ السلام یہ انتہائی قدم نہ اٹھاتے۔ کربلا دلیل ہے کہ اب آخری نبی اور آخری الٰہی پیغام کے آنے کے بعد ہر مسلمان اپنی مسئولیت کا احساس کرے اور ہمہ جہت قربانی کے لیے اپنے آپ کو آمادہ رکھے۔

جوش ملیح آبادی نے تو کربلا کو ''توحید'' کی دلیل کے طور اپنی شاعری میں باندھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

ہاں وہ حسینؑ جس کا ابد آشنا ثبات — کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے یہ بات
یعنی درون پردہ صد رنگ کائنات — اک کار ساز ذہن ہے اک ذی شعور ذات
سجدوں سے کھینچتا ہے جو ''مسجود'' کی طرف — تنہا جو اک اشارہ ہے ''معبود'' کی طرف

غرضیکہ کربلا ایک زندہ و تابندہ ''درس گاہ'' ہے جس سے ذی شعور، انسان راہنمائی حاصل کرتا ہے۔ اگر اس موضوع پر لکھا جاتا رہے تو حیات کم پڑ جائے اور دروس کربلا کا احاطہ ممکن نہ ہو۔

تقریباً پوری دنیا میں ان ایام کو جوش و جذبے اور غم الم کے ماحول میں منایا جاتا ہے۔ مجالس وجلوس عزاء کے انعقاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ بقول جوش ملیح آبادی:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

کی جانب انسانیت کا سفر جاری و ساری ہے۔ ہمارے ملک پاکستان میں محرم الحرام کئی لحاظ سے مختلف ہے۔ ان ایام سے ایک ماہ قبل انتظامیہ امن کمیٹیوں، مصالحتی کمیٹیوں اور مختلف طبقات کی مسلسل میٹنگز انعقاد پذیر ہوتی ہیں جن میں سب امن واتحاد و وحدت وعقیدت کا پیغام جاری کرتے ہیں۔ لگتا ہے کہ کسی ممکنہ محاذ آرائی سے قبل حفظ ما تقدم کی پالیسی پر عملدر آمد ہو رہا ہے۔ بہت سے علماء، واعظین وذاکرین کی اضلاع میں داخلہ پر پابندی اور انتہاہی اعلان کا اجراء اور سیکورٹی انتظامات کا جائزہ، پابندیوں، ایف آئی آرز اور فورتھ شیڈول میں ڈالنے جیسے اقدامات علیحدہ سے کیے جاتے ہیں۔ ان سب کے باوجود خوف، دہشت اور نا امنی کی فضا چھائی رہتی ہے۔ مجالس وجلوس عزا کے مقامات ایسے لگ رہے ہوتے ہیں جیسے کہ ابھی کچھ ہوا کہ ہوا۔ اس فضا کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ علماء، خطباء وذاکرین کو بھی احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے اور دیگر کو بھی تحمل و برداشت کا جذبہ دکھانے کی ضرورت ہے۔

ان ہی ایام عزا میں 14 اگست کی تاریخ بھی آئے گی جو یاد دلاتی ہے کہ یہ ملک کن مسائل مشکلات اور قربانیوں کے بعد حاصل ہوا اور اس کے کیا مقاصد تھے؟ اس دن ہمیں تجدید عہد کے طور پر منانے کی ضرورت ہے۔ آزادی جیسی نعمت ملنے کے باوجود ہم آزاد نہیں ہیں۔ یہ دور جس سے ہم گزر رہے ہیں آزادی کے مفہوم کو بہت واضح کرتا ہے۔ جب تک استعمار ہمارے ملک میں مداخلت اور اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ حکمران رہے گا آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو پائے گا۔ اس پر غور کیجیے گا۔

ایک روایت ہے اور ضرورت بھی ہے کہ قارئین ذی وقار سے اپیل کرتے ہیں پیام کو پڑھنے نیز اس ذوق کے دیگر افراد تک پھیلانے کے لیے سالانہ زر تعاون جو فقط ایک ہزار روپیہ ہے ادا کرنے کی سعی ضرور کریں تا کہ یہ علمی وتحقیقی مجلہ آپ کی خدمت میں بلاتعطل ارسال ہوتا رہے۔

آپ کی مفید آراء اور تجاویز کا منتظر

سید نثار علی ترمذی

ایڈیٹر

مطالعہ قرآن (۴)

ڈاکٹر محسن نقوی

تفسیر طبری کے مختصر سے تعارف کے بعد یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ اس تفسیر میں علماء نے بعض ایسے مقامات کی نشان دہی کی ہے جو عربی تحریر کے لحاظ سے کمزور ہیں کیوں کہ وہ طبرستان، ایران کے رہنے والے تھے۔ اسی طرح کی تنقید عراقی علماء نے مشہور شیعہ عالم محمد حسین طباطبائی کی تفسیر ''المیزان'' پر بھی کی ہے جس پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔ طبری پر اس وجہ سے بھی تنقید کی گئی ہے کہ ان کی ایک کتاب حدیث غدیر کے اسناد کے بارے میں ہے جو دو ضخیم جلدیں ہیں اور نامکمل ہیں۔ یہ کتاب انھوں نے فضائل امیر المؤمنین علی بن ابی طالب (ع) کا انکار کرنے والوں کی رد میں لکھی تھی۔ محمد بن جریر الطبری فقہ شافعی کے پیروکار تھے اور ایک طویل عرصے تک بغداد میں اسی فقہ پر فتوی دیتے رہے لیکن ''تھذیب الآثار'' اور ''اللطیف'' کی تصنیف بعد یہ ثابت ہوگیا کہ وہ فقہ شافعی کے اندھے پیروکار نہیں بلکہ احادیث، آثار صحابہ وتابعین، نیز اس وقت تک کے اکابر علماء کی آراء کو سامنے رکھ کر اپنے فتوے کو ظاہر کرنے والے ہیں۔ اس لیے شافعی حضرات ان کے خلاف ہوگئے۔ حنبلیوں نے امام احمد بن حنبل کے بارے میں رائے پوچھی تو کہا: وہ فقیہ نہیں محدث تھے۔ چنانچہ حنبلیوں نے ان کی شدید مخالفت کی، وہ آپ کے دروازے پر پتھراؤ تک کرتے تھے۔ ان وجوہ کی بناء پر ان کا فقھی مذہب چوتھی صدی ہجری کے بعد باقی نہ رہا، لوگ ان کے مذہب پر فتوی دیتے ہوئے گھبراتے تھے۔

علامہ طبرسی کے دور تک شیعہ تفاسیر میں دو رجانات واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں ایک تفسیر بالآثار اور دوسرے عقلی یا عمومی تفسیر۔ تفسیر ماثور میں اس وقت تک کی اہم تفاسیر میں سے ایک مکتب امامیہ کے گیارہویں امام حسن عسکری (ع) کی طرف منسوب ہے جن کی شھادت ۲۵۴ھ میں ہوئی۔ اس تفسیر کے لیے مشہور ہے کہ انھوں نے ابو یعقوب محمد بن زیاد اور ابوالحسن علی بن محمد بن سیار کو املاء کروائی تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور تفسیر کا بھی ذکر ملتا ہے جس کے متعلق دعوی کیا جاتا ہے کہ امام حسن عسکری نے اسے حسن بن خالد البرقی کو املاء کروائی تھی اور اس کی ۱۲۰ جلدیں تھیں۔

حسن بن خالد البرقی امام جعفر صادقؑ کے دور میں زندہ تھے یہ بات عقلا بعید ہے کہ انھوں نے امام حسن عسکریؑ کا زمانہ پایا ہو۔اس تفسیر کے مشتملات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ امام حسن عسکری کی امالی میں سے نہیں ہے۔

ایک اور تفسیر علی بن ابراہیم القمی (م ۳۰۷ھ) کی ہے جو تفسیر القمی کے نام سے مشہور ہے، یہ صاحب الکافی کے مؤلف محمد بن یعقوب الکلینی (م ۳۲۹ھ) کے شیوخ میں سے ہیں۔علی بن ابراہیم القمی امام حسن عسکریؑ کے بعد تک زندہ رہے۔ابن ندیم نے اپنی ''الفہرست'' میں اور الداؤدی نے اپنی کتاب ''طبقات المفسرین'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔اس میں جو روایات ہیں وہ علی بن ابراہیم نے اپنے والد سے لی ہیں جو انھوں نے اپنے شیوخ سے حاصل کیں جن کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے۔لیکن مسئلہ یہ ہے کہ خود علی بن ابراہیم کو ضعیف مانا گیا ہے۔اس کی بیشتر روایات دیگر شیوخ سے امام جعفر صادقؑ اور دیگر آئمہ امیر المؤمنین، امام سجاد، امام محمد باقر علیہم السلام سے ہیں، صحابہ کرام میں سے ابوذر غفاری، عبداللہ بن مسعود اور ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنھم سے ہیں۔امام محمد باقرؑ اور جعفر صادقؑ نیز صحابہ کرامؓ سے روایات مسند ہیں، بعض ان میں مرسل بھی ہیں۔

علی بن ابراہیم القمی کی اس تفسیر میں اصحاب آئمہؑ میں سے چند کی تفسیری روایات کثرت سے ملتی ہیں جن کے نام یہ ہیں: ابوبصیر، یحیی بن قاسم اسدی، ابوحمزہ الثمالی، ابوجارود، السکونی، مسعدۃ بن صدقہ، ضریس، محمد بن قیس، حسین بن خالد البرقی۔وغیرہ۔علی بن ابراہیم قمی کے کسی شاگرد نے اس روایت کیا ہے لیکن اس میں اماموں سے منسوب کر کے بہت سی روایات اضافہ کر دی ہیں۔اس تفسیر میں بہت سی ایسی روایات موجود ہیں جو اماموں کے بارے میں غلو پر مبنی ہیں، یا الحاقی ہیں۔

ایک اور تفسیر جس کے حوالے ملتے ہیں وہ ابونضر محمد بن مسعود العیاشی کی تصنیف ہے اور تفسیر العیاشی کے نام سے مشہور ہے۔یہ صاحب بنو تمیم سے تھے اور سمرقند ان کا مولد تھا۔ابن ندیم نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ فقہائے شیعہ میں سے تھے جنھوں نے دوسو کتابیں لکھیں۔مسلک امامیہ میں ان کا مرتبہ بہت بڑا مانا جاتا ہے۔ان کی تفسیر تیسری صدی ہجری کے آخر میں سامنے آئی۔اس میں موجود روایات حزف اسناد کے ساتھ آئی ہیں۔اپنی تفسیر کے مقدمے میں علامہ عیاشی نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں تحریف، کمی یا زیادتی ہونے سے متعلق ہمارے اماموں سے جو کچھ منسوب اور روایت کیا ہے وہ سب قرآن مجید اور سنت صحیحہ کے برخلاف ہے، کیوں کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالی نے لیا ہے (سورۃ الحجر، ۹) یہ تفسیر بھی پورے قرآن پر مشتمل نہیں ہے اور ناقص ہے۔انداز اس کا بھی تفسیر قمی جیسا ہی ہے۔

فرات بن ابراہیم الکوفی کی تفسیر چوتھی صدی ہجری کی ابتداء میں سامنے آئی جس میں آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی روایات کو جمع کیا گیا ہے، ساتھ ہی بعض صحابہ کرام اور تابعین سے بھی روایات نقل کی گئی ہیں۔اس کی زیادہ تر روایات حسین بن سعید اہوازی اور حسن بن سعید اہوازی سے ہیں جو امام محمد رضا اور امام محمد تقی علیہما السلام کے صحابی تھے۔یہ ایک مختصر تفسیر ہے نیز ایسی روایات کا مجموعہ ہے جو زیادہ تر غیر معتبر اور بے جا تأویلات پر مشتمل ہیں۔آئندہ ہماری خواہش ہے کہ شیخ طوسی کی تفسیر التبیان کا مختصر تعارف کروائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت

بحوالہ
قرآن واہل بیت اطہار علیہم السلام

(سید رمیز الحسن موسوی (نور الھدیٰ مرکز تحقیقات اسلام آباد)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شمار اُولوالعزم انبیائے کرام میں ہوتا ہے۔ آپؑ اللہ کے برگزیدہ نبی اور پیغمبر ہیں، خلیل اللہ (اللہ کا دوست) آپؑ کا مشہور لقب ہے، مؤرخین کے مطابق آپؑ ہزار سال قبل عراق کے شہر بابل میں پیدا ہوئے۔ یہودی اور عیسائی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ دین اسلام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی چودھویں سورت ''سورۂ ابراہیم'' آپؑ ہی کے نام سے موسوم ہے۔ قرآن کریم میں ۲۵ سوروں میں ۶۹ بار حضرت ابراہیم کا نام ذکر ہوا ہے اور اُن کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں انھیں ''اُمت'' اور ''امام الناس'' کا لقب دیا گیا ہے اور متعدد مرتبہ ''حنیف'' بھی کہا ہے اور ''مسلم'' بھی۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے بہت سے انبیائے کرام کا تذکرہ ملتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ بچپن ہی سے قلب سلیم کے مالک تھے اور اُنھوں نے جوانی میں ہی بت پرستی کے خلاف جہاد شروع کر دیا تھا۔ اُنھیں ہمیشہ کائنات کے بارے میں غور و فکر کرنے کی عادت تھی جس کی وجہ سے اُنھیں یقین ہو گیا تھا کہ اس پوری کائنات کا خالق ہی حقیقی معبود ہے اور وہی وحدہ لاشریک ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے کائنات کے بارے میں غور و فکر اور تدبر کے بارے میں قرآن مجید نے اس طرح حکایت کی ہے:

> ''اور اس طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا نظارہ کراتے تھے، اور مقصد یہ تھا کہ وہ مکمل یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائیں۔ چنانچہ جب ان پر رات چھائی تو انھوں نے ایک ستارہ دیکھا۔ کہنے لگے: یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو انھوں نے کہا: میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب انھوں نے چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا کہ: یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہنے لگے: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دے تو میں یقیناً گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ پھر جب انھوں نے سورج کو چمکتے دیکھا، تو کہا: یہ میرا رب ہے، یہ زیادہ بڑا ہے۔ پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو انھوں نے کہا: اے میری قوم! جن جن چیزوں کو تم اللہ کی خدائی میں شریک قرار دیتے ہو، میں اُن سب سے بیزار ہوں۔ میں نے تو پوری طرح یکسو ہو کر اپنا رُخ اُس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرنے کے بعد زندہ ہونے کی بابت جب سمجھنا چاہا تو اللہ تعالی نے پرندوں کی مثال کے ذریعے اُنھیں یہ راز

سمجھایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ آیت ۲۶۰ میں بیان فرمایا ہے: اور (وہ واقعہ یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا تھا: میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے، فرمایا: کیا آپ ایمان نہیں رکھتے؟ کہا: ایمان تو رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے، فرمایا: پس چار پرندوں کو پکڑ لو پھر ان کے ٹکڑے کرو پھر ان کا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو، پھر انھیں بلاؤ وہ تیزی سے تمھارے پاس چلے آئیں گے اور جان رکھو اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی صفات عالیہ کا تذکرہ

قرآن مجید نے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اعلیٰ صفات کا تذکرہ کیا ہے اس طرح کسی اور نبی اور پیغمبر کی صفات ذکر نہیں کی ہیں۔ قرآن میں ذکر ہونے والی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات کچھ یوں ہیں:

۱۔ حَنیف (پکا مسلمان): سورۂ انعام کی آیت ۷۹ میں فرمایا:

”ما كانَ إِبراهيمُ يَهودِيًّا وَ لا نَصرانِيًّا وَ لٰكِنْ كانَ حَنيفاً“۔

یعنی؛ ابراہیم یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ وہ یکسوئی کے ساتھ مسلم تھے۔

حنیف کا مادہ ہے حنف (بروزن ہدف) جس کا معنی ہے گمراہی سے درستی اور راستی کی طرف میلان و رجحان پیدا کرنا۔ اس کے برعکس ہے جنف یعنی راستی سے کجی کی طرف جھکنا۔ توحید خالص کے پیروکار چونکہ شرک سے منہ موڑ کر اس حقیقی اساس کی طرف مائل ہیں اس لئے انھیں حنیف کہا جاتا ہے۔ اس وجہ سے حنیف کا ایک معنی ہے مستقیم اور صاف ہے۔ یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ مفسرین نے (حنیف) کی جو مختلف تفسیریں کی ہیں مثلاً بیت اللہ کا حج، حق کی پیروی، حضرت ابراہیم کی پیروی، خلوص عمل وغیرہ سب کی برگشت اسی جامع مفہوم کی طرف ہوتی ہے۔

۲۔ موقن (صاحب یقین): سورۂ انعام کی آیت ۷۵ میں فرمایا:

”وَ كَذٰلِكَ نُرِي إِبراهيمَ مَلَكوتَ السَّماواتِ وَ الْأَرْضِ وَ لِيَكونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ“۔

یعنی؛ اور اس طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کا (نظام) حکومت دکھاتے تھے تاکہ وہ اہل یقین میں سے ہو جائیں۔

۳۔ صدیق (قول و فعل میں سچا): سورۂ مریم کی آیت ۴۱:

”وَ اذْكُرْ فِي الْكِتابِ إِبراهيمَ إِنَّهُ كانَ صِدِّيقاً نَبِيًّا“

یعنی؛ اور اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجیے، یقیناً وہ بڑے سچے نبی تھے۔

پس صدّیق جو شخص بہت زیادہ سچا ہو۔ جس کی رفتار و گفتار سے سوائے سچائی اور بہتری کے کچھ اور ظاہر نہ ہوتا ہو۔

۴۔ نبی (خبر لانے والا): سورۂ مریم ہی کی آیت ۴۱ میں فرمایا:

”إِنَّهُ كانَ صِدِّيقاً نَبِيًّا“۔

یعنی؛ یقیناً وہ بڑے سچے نبی تھے۔

۵۔ عبد (بندہ خدا): سورۂ صافات کی آیت ۱۰۹ میں فرمایا:

''إِنَّهُ مِنْ عِبادِنَا الْمُؤْمِنِينَ''۔

یعنی؛ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

۶۔ مؤمن (ایمان والا): سورہ صافات ہی کی آیت ۱۱۱ میں فرمایا:

''إِنَّهُ مِنْ عِبادِنَا الْمُؤْمِنِينَ''

یعنی؛ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

۷۔ محسن (نیکی کرنے والا): سورۂ صافات کی آیت ۱۱۰ میں فرمایا:

''كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ''۔

یعنی؛ ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

پس محسن نیکوکار کو کہتے ہیں جو لوگوں کے ساتھ اس قدر نیکی کرے اور اچھے اعمال بجالائے کہ اسے نیکوکار کہا جانے لگے۔

۸۔ صاحب قلب سلیم (حلیم و بردبار):

سورۂ صافات کی آیت ۸۴ میں فرمایا:

''إِذْ جاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ''۔

یعنی؛ جب وہ اپنے رب کی بارگاہ میں قلب سلیم لے کر آئے۔

۹۔ امام (پیشوا): سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۴ میں فرمایا:

''وَ إِذِ ابْتَلىٰ إِبْراهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِماتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قالَ إِنِّي جاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِماماً''۔

یعنی؛ اور (وہ وقت یاد رکھو) جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات سے آزمایا اور انھوں نے انھیں پورا کر دکھایا، ارشاد ہوا: میں تمھیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔

۱۰۔ صالح (نیک): سورۂ بقرہ کی آیت ۱۳۰ میں فرمایا:

''وَ لَقَدِ اصْطَفَيْناهُ فِي الدُّنْيا وَ إِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ''۔

یعنی؛ ابراہیم کو ہم نے دنیا میں برگزیدہ بنایا اور آخرت میں ان کا شمار صالحین میں ہوگا۔

صالح وہ جس کا عمل نیک و شائستہ ہے اور کسی طرح کی بدی، سستی، کجی اور آلودگی اس میں نہ پائی جائے۔ یہ لفظ حضرت ابراہیم (علیہ السلام)، اسحٰق (علیہ السلام)، یحیٰی (علیہ السلام)، عیسیٰ (علیہ السلام)، زکریا (علیہ السلام)، الیاس (علیہ السلام)، اسماعیل (علیہ السلام)، ادریس (علیہ السلام) اور ذوالکفل (علیہ السلام) کے بارے میں ذکر ہوا ہے۔

۱۱۔ مصطفی (برگزیدہ، چنا ہوا): سورۂ بقرہ کی آیت ۱۳۰ میں ہی فرمایا:

''وَ لَقَدِ اصْطَفَيْناهُ فِي الدُّنْيا''۔

یعنی ابراہیم کو تو ہم نے دنیا میں برگزیدہ بنایا۔

۱۲۔صاحب کتاب نبی: سورہ اعلیٰ کی آیت ۱۹ میں فرمایا:

"صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى"

یعنی؛ابراہیم اور موسیٰ صاحب صحیفہ وکتاب تھے۔

یہ خلاصہ ہے اُن صفات وخصوصیات کا جن کا تذکرہ قرآن مجید کی آیات کے ذیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیا گیا ہے۔مختلف مفسرین اور مؤرخین نے جناب ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت اپنے اپنے انداز میں ذکر کی ہے۔اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قرآنی شخصیت کو ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے حوالے سے پیش کرنے کی سعی کی جاتی ہے اور کتب حدیث میں اس اُولوالعزم نبی کے بارے میں اہل بیت اطہار علیہم السلام سے جو کچھ نقل ہوا ہے، ہم نمایاں عناوین کے تحت پیش کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا گھرانہ اور جائے ولادت

حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ایک حدیث میں "کوثی" کو حضرت ابراہیمؑ کی جائے ولادت اور نمرود کا محل سکونت قرار دیا گیا ہے۔

ابراہیم بن ابوزیاد کرخی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت شہر کوثی ربا میں ہوئی ہے (یہ شہر عراق میں ہے) اور آپ کے والد بھی یہیں کے تھے اور ابراہیم کی ماں کا نام سارہ تھا اور لوط کی ماں کا نام ورقہ تھا ایک (روایت) کے مطابق رقیہ تھا، یہ دونوں بہنیں تھیں۔یہ دونوں لاحج نبی کی بیٹیاں تھیں۔جو منذر (فقط ڈرانے والے تھے) مقام رسالت پر فائز نہیں تھے۔حضرت ابراہیمؑ ایام جوانی ہی سے فطرت توحیدی پر تھے۔یہاں تک کہ خدا نے انھیں اپنے دین کی ہدایت فرمائی اور ان کو برگزیدہ بنایا۔اُنھوں نے لاحج کی بیٹی اور اپنی خالہ زاد سے شادی کی (اس جملے کی وضاحت میں شارحین حدیث نے جو کچھ کہا ہے وہ آخر میں ذکر کیا جائے گا) اور جناب سارہ بہت زیادہ مالدار اور وسیع زمینوں کی مالک تھیں، ان کے پاس بہت سے مویشی تھے۔خلاصہ یہ کہ ان کے حالات بہت اچھے تھے۔شادی کے بعد سارہ نے اپنا سارا مال ابراہیمؑ کے حوالے کر دیا اور ابراہیمؑ نے بھی یہ مال ملنے کے بعد اس میں اضافہ کیا، یہاں تک کہ کوثی ربا میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس کی زندگی ابراہیمؑ سے بہتر ہوتی۔۔۔الخ۔

علامہ مجلسیؒ اور دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ "وانه تزوج سارہ ابنة لاحج" میں بظاہر اس سے مراد "ابنة ابنة لاحج" ہے یعنی لاحج کی بیٹی کی بیٹی ہے۔بیٹی کی بیٹی یعنی نواسی بھی بیٹی کہلاتی ہے اور عربی زبان میں نواسی کو بھی بیٹی ہی کہا جاتا ہے۔لہذا یہاں یہ اشتباہ ہوا ہے۔سارہ زوجہ ابراہیم اور سارہ مادر ابراہیم میں فرق ہے۔یعنی حضرت ابراہیم کی والدہ گرامی کا نام بھی اور زوجہ کا نام بھی سارہ تھا۔

ولادت حضرت ابراہیمؑ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی حفاظت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ابوبصیر نے روایت ہے کہ آزر، ابراہیمؑ کا باپ، نمرود کا منجم تھا اور وہ اس کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ایک رات اس نے ستاروں کو دیکھا اور جب صبح ہوئی تو نمرود سے کہا کہ میں نے ایک عجیب چیز دیکھی ہے۔اس نے کہا کیا دیکھا ہے۔آزر نے کہا ایک بچہ ہماری سرزمین میں پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں ہماری ہلاکت و نابودی ہو جائے گی اور کوئی چیز باقی نہ ہوگی۔اس کی ماں اس

سے حاملہ ہوجائے گی تو نمرود اس خبر پر بڑا متعجب ہوا اور کہا: کیا اس سے ماں حاملہ ہوگئی ہے آزر نے جواب دیا نہیں۔ نمرود نے حکم دیا عورتوں کو ان کے مردوں سے الگ کردو اور کوئی ایسی صورت باقی نہ رہے سوائے اس کے کہ ان کو الگ شہر میں جگہ دی جائے اور وہ وہاں رہیں اور لوگوں کو ان تک دسترس حاصل نہ تھی اور خود آزر اپنی زوجہ سے ہمبستر ہوا اور وہ ابراہیم سے حاملہ ہوگئی۔ آزر اپنے گمان میں چلا گیا کہ وہ مولود خود اس سے ہی ہوگا تو اس زمانہ کی قابلہ کو ان کے پاس بھیجا اور یہ اپنے کاموں میں اس قدر ماہر تھیں کہ جو کچھ عورت کے رحم میں ہوتا تھا اس کو سمجھ جاتی تھیں ان کو ابراہیم کی ماں کے پاس بھیجا گیا اور خدا نے اس بچے کو جو رحم میں تھا پشت کی طرف ملا دیا اور کہنے لگیں کہ ہم اس کے شکم میں کسی چیز کو نہیں دیکھ رہی ہیں اور اس علم سے کہ جو آزر نے (اس بچے کے بارے میں) بیان کیا تھا اس کا یہ مطلب تھا کہ یہ بچہ آگ میں گرا دیا جائے گا، لیکن اس کے بعد خدا اس کو آگ سے نجات دے گا، نہیں جانتا تھا اور جب ابراہیمؑ کی ماں نے اس بچے کو جنا تو آزر نے چاہا کہ اسے نمرود کے پاس لے جائے تا کہ وہ اسے قتل کردے تو اس عورت نے اس سے کہا کہ اس بچے کو اس کے پاس قتل کے لیے نہ لے جاؤ، اسے چھوڑ دو اور میں اسے ایک غار میں لے جاتی ہوں اور اس جگہ پر رکھتی ہوں تا کہ اسے وہاں موت آجائے اور تم اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کے قاتل نہ بنو۔ آزر نے اس کی بات قبول کر لی اور کہا پس جلدی سے اسے وہاں لے جاؤ ابراہیم کی ماں اس بچے کو غار میں لے گئیں اور یہاں پر اسے دودھ پلایا اور اس غار کے سامنے ایک پتھر رکھ دیا اور اپنے گھر واپس آگئیں اور خدا نے ابراہیم کے رزق کو ان کی انگلی میں جاری کر دیا اور ابراہیم اسے چوستے رہے اور دودھ اس سے پیدا ہوتا رہا اور ان کا بڑھنا ایک دن کے مطابق دوسرے بچوں کے ایک ہفتہ کے برابر تھا اور ایک ہفتہ ان کا ایک مہینے کے برابر تھا جو دوسروں کے لیے ہوتا تھا جو اس قدر ہوتے اور ایک ماہ اندازہ ایک سال کے برابر جو دوسروں کے لیے ہوتا تھا۔ کافی عرصہ اسی طرح گذر گیا یہاں تک کہ آپ کی ماں نے آزر سے کہا بہتر ہے آپ مجھے اجازت دیں تا کہ میں اس بچے کے پاس جاؤں اور دیکھوں کہ اس کا حال کیا ہوا ہے تو اس نے کہا جاؤ۔ ابراہیم کی ماں اپنے بیٹے کے پاس آئیں اور آکر دیکھا کہ ابراہیمؑ کی آنکھیں دو ستاروں کی طرح روشن ہیں۔ انھیں اُٹھایا اور اپنے سینے سے لگایا اور ان کو دودھ پلایا اور واپس آگئیں۔ آزر نے ان سے اس بیٹے کا حال پوچھا تو عورت نے کہا کہ میں نے اسے مٹی میں دفن کردیا ہے اور واپس آگئی ہوں۔ اس کے بعد یہ عورت کام کے بہانے سے باہر نکلتی اور خود ابراہیمؑ کے پاس چلی جاتی تھیں اور انھیں سینہ سے لگاتیں، دودھ پلاتیں اور واپس آجاتی تھیں اور جب ابراہیمؑ راستہ چلنے لگے اور ان کی ماں ہمیشہ ان کے پاس آتیں اور اسی طرح ان کے ساتھ یہی طریقہ استعمال کرتی تھیں اور اس دفعہ جب وہ واپس جانے لگیں تو ابراہیم اُٹھے اور آپ کے دامن کو پکڑ لیا اور آپ کی ماں نے کہا کیا چاہتے ہو اور کیوں اس طرح کرتے ہو۔ ابراہیم نے کہا کہ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ آپ کی ماں نے کہا۔ میں اس بارے میں تیرے باپ سے اجازت لوں۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ابراہیم کی ماں آزر کے پاس آئیں اور اسے ابراہیم کی داستان سے مطلع کیا۔ آزر نے کہا اسے لے آؤ اور اسے راستے میں بیٹھا دو تا کہ اس کے بھائی آجائیں اور ان کے ساتھ اسے میرے پاس لے آؤ تا کہ اسے کوئی پہچان نہ سکے۔ ابراہیم کے بھائی بت بناتے تھے اور بازار لے جاتے تھے اور انھیں فروخت کرتے تھے۔ ابراہیم کی ماں آزر کے حکم کے مطابق انھیں لے آئی اور راستے میں بٹھا دیا اور جب ان کے بھائی ان کے پاس سے گزرے تو وہ ان کے ساتھ آزر کے گھر چلے گئے اور جب باپ کی نظر ان پر پڑی تو ان کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی اور کافی دیر اس محبت کے عالم پر گذر گئی یہاں تک کہ ایک دن بھائی بت بنا رہے تھے اور ابراہیمؑ نے تیشہ ہاتھ میں لیا اور ایسا (خوبصورت) بت بنایا کہ اس کے مانند اس دن تک نہ دیکھا گیا تھا۔ آزر نے ابراہیمؑ کی ماں سے کہا میں اس کی اُمید کرتا ہوں کہ اس بیٹے کی برکت سے خیر ہم کو پہنچے گا لیکن ناگاہ دیکھا کہ ابراہیم نے

تیشہ ہاتھ میں لیا اور وہ بت جو انھوں نے بنایا تھا اسے توڑ دیا۔ آپ کا باپ اس کام سے سخت ناراض ہوا اور ان سے کہا کہ یہ تم نے کیا کیا ہے؟ ابراہیمؑ نے کہا: مگر اس بت کو کس لیے چاہتے ہو؟ آزر نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اس کی پوجا کروں۔ ابراہیم نے کہا: کیا تم اس بت کی پوجا کرتے ہو جسے خود ہی تراشتے ہو؟ آزر نے (جب یہ بات سنی) تو ان کی ماں سے کہا یہ وہی ہے جس کے ہاتھ سے ہماری حکومت ختم ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

روضہ کافی میں علی بن ابراہیم نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے کہ اُنھوں نے فرمایا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے بتوں کو توڑا تو نمرود نے اُنھیں گرفتار کرنے کا حکم دیا اور اُنھیں جلانے کے لیے ایک چاردیواری بنائی اور اس میں ایندھن جمع کیا اور پھر اُسے آگ لگا کر ابراہیم علیہ السلام کو اُس میں پھینک دیا۔ انھوں نے اچانک دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں صحیح و سالم بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس بات کی اطلاع نمرود کو دی گئی۔ نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو ملک بدر کرنے کا حکم دے دیا اور کہا کہ وہ اپنی بھیڑ بکریاں اور دوسرا مال ساتھ نہیں لے جاسکتے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس حکم پر احتجاج کرتے ہوئے کہا: کوئی حرج نہیں ہے کہ جن بھیڑ بکریوں اور اموال کو میں نے سالہا سال سے جمع کیا ہے یہاں چھوڑ جاؤں لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ تم بھی میری اس عمر کو مجھے واپس دے دو جو میں نے یہ سب کچھ جمع کرنے میں صرف کی ہے۔ لوگوں نے اُن کی بات نہیں مانی اور یہ جھگڑا نمرود کے قاضی کے پاس لے گئے۔ قاضی نے بھی ابراہیمؑ کے خلاف فیصلہ دے دیا کہ جو کچھ تم نے اس سرزمین میں جمع کیا ہے وہ یہیں چھوڑ کر چلے جاؤ۔ قاضی نے نمرودیوں کے خلاف بھی فیصلہ دیا کہ ابراہیمؑ نے یہ سب کچھ جمع کرنے میں جو عمر صرف کی ہے وہ انھیں لوٹا دو۔

اس واقعہ کی اطلاع نمرود کو دی گئی۔ اُس نے جب یہ دیکھا تو حکم دیا کہ ابراہیمؑ کو اپنی بھیڑ بکریوں اور اموال کے ساتھ جانے دیا جائے۔ اگر وہ تمھاری سرزمین پر رہا تو تمھارے دین کو خراب کردے گا اور تمھارے خداؤں (بتوں) کو ختم کردے گا۔

نمرود کی آزر اور حضرت ابراہیمؑ کی والدہ سے گفتگو

ایک روایت میں ہے کہ نمرود سے کہا گیا: ابراہیم نے بتوں کو توڑا ہے، نمرود نے آزر کو بلایا اور کہا: تو نے مجھ سے خیانت کی، اس بچے کے وجود کو مجھ سے چھپائے رکھا ہے۔ آزر نے کہا: میرا کوئی قصور نہیں ہے اُس کی ماں نے اُسے مخفی رکھا ہے اور اُس کی پرورش کرتی رہی ہے اور اُس کا دعویٰ ہے کہ اُس کے پاس اس کام کی دلیل اور حجت ہے۔

نمرود نے حکم دیا: ابراہیمؑ کی ماں کو حاضر کیا جائے، جب حضرت ابراہیمؑ کی والدہ حاضر ہوئیں تو نمرود نے اُن سے کہا: تم نے اس بچے کو ہم سے کیوں چھپائے رکھا ہے کہ اب اس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ اس طرح کا سلوک کیا ہے؟

حضرت ابراہیمؑ کی والدہ نے کہا: میں نے یہ کام اس لیے کیا ہے چونکہ میں نے جب دیکھا کہ تم تمام لڑکوں کو قتل کررہے ہو اور اُن کی نسل خطرے میں ڈال چکے ہو تو میں نے سوچا اس لڑکے کو آئندہ نسل کی حفاظت کے لیے محفوظ رکھوں۔ اگر یہ بچہ وہی بچہ ہوا (کہ جس کے ہاتھ سے تیری حکومت ختم ہونی ہے) تو اُسے تمھارے حوالے کردوں گی تا قتل ہوجائے اور اس طرح دوسرے لوگوں کے بچے قتل ہونے سے بچ جائیں اور اگر یہ

وہ بچہ نہ ہوا کہ جو تجھے مطلوب ہے تو پھر ہمارے لیے ہمارا فرزند باقی رہے گا۔ اب تمھارے لیے ثابت ہوگیا ہے یہ بچہ وہی ہے، تو یہ تیرے اختیار میں ہے جو تم چاہتے ہو اس کے ساتھ کرو۔

نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کی بات اور دلیل کو پسند کیا اور اُسے آزاد کردیا۔ اس کے بعد خود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بتوں کو توڑنے کے بارے میں بات چیت کرنے لگا۔ جب ابراہیمؑ نے کہا: بڑے بت نے باقی بتوں کو توڑا ہے تو نمرود نے ابراہیم علیہ السلام کی سزا کے بارے میں اپنے درباریوں سے مشورہ کیا۔ اس کے درباریوں نے کہا: ابراہیمؑ کو جلادیں اور اپنے خداؤں کی مدد کریں۔

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: نہ بتوں نے یہ کام کیا ہے (کہ بتوں کو توڑا ہے) اور نہ ابراہیمؑ نے جھوٹ بولا ہے۔ امام سے پوچھا گیا: کیسے؟ تو امام نے فرمایا: حضرت ابراہیمؑ نے کہا: بڑے بت نے یہ کام کیا ہے، اگر وہ بات کرتا ہے تو؟ اگر بات نہیں کرتا تو بڑے بت نے یہ کام نہیں کیا۔

حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کا مکالمہ

حجر کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ابراہیمؑ نے اپنی قوم کی مخالفت کی اور ان کے خداؤں کو توڑ دیا یہاں تک کہ انھیں نمرود کے پاس لے جایا گیا۔ ابراہیمؑ نے نمرود کے ساتھ بحث کی اور فرمایا:

”رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ“

میرا رب وہ ہے جو زندہ (بھی) کرتا ہے اور مارتا (بھی) ہے، تو (جواباً) کہنے لگا: میں (بھی) زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: بیشک اللہ سورج کو مشرق کی طرف سے نکالتا ہے تُو اسے مغرب کی طرف سے نکال لا! سو وہ کافر دہشت زدہ ہوگیا، اور اللہ ظالم قوم کو حق کی راہ نہیں دکھاتا۔

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: حضرت ابراہیمؑ نے ان کے خداؤں کو توڑ دیا اور ستاروں کی طرف نگاہ کی اور فرمایا: میں بیمار ہوں ”فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ. فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ۔“ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم وہ بیمار نہ تھے اور جھوٹ بھی نہیں بولا (شاید امام کی مراد ہو یہ ظاہر میں بیمار نہیں تھے لیکن روحانی لحاظ سے بیماری محسوس کر رہے تھے جو بتوں کو لکڑ اور پتھر سے بنا کر خدا کی جگہ پوجا کرتے تھے۔ ان کے اس عمل سے انھیں روحانی اذیت ہوتی تھی اور وہ روح کے لحاظ سے بیمار تھے لہٰذا وہ روحانی طور پر بیمار تھے لہٰذا اُنھوں نے جھوٹ نہیں بولا) اور جب لوگوں نے انھیں چھوڑ دیا اور عید کے مراسم کے لیے یہاں سے چلے گئے تو ابراہیمؑ نے کلہاڑا اُٹھا کر ان جھوٹے خداؤں کو توڑ ڈالا سوائے بڑے بت کے اور کلہاڑے کو اس کی گردن میں لٹکا دیا۔ جب یہ لوگ واپس آئے تو یہ سب دیکھ کر کہنے لگے: خدا کی قسم! کسی کو ایسا کرنے کی جرأت نہیں، سوائے اس جوان کے اسی نے یہ سب بت توڑے ہیں اور وہی ان سے بیزاری کرتا ہے اور اسے قتل کرنے کے لیے اس سے بدتر کوئی طریقہ نہیں کہ اسے آگ میں ڈالا جائے۔ اس مقصد کے لیے اُنھوں نے کافی لکڑیاں جمع کیں تاکہ مقررہ دن اسے اس آگ میں ڈالا جائے۔ نمرود نے یہ تماشا دیکھنے کے لیے اپنے لشکریوں کو جمع کیا اور ان کے لیے ایک جگہ مقرر کی گئی تاکہ وہ اسے دیکھ سکیں کہ کس طرح آگ ابراہیم کو اس کے کیے کا

بدلہ دیتی ہے۔

اس دن ابراہیمؑ کو منجنیق میں بٹھایا گیا تاکہ اسے بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا جائے۔ تو اس وقت زمین نے فریاد کی کہ اے خدا! زمین پر اس کے سوا کوئی نہیں جو تیری عبادت کرتا ہو۔ کیا تو اسے آگ میں جلا دے گا؟ تو پروردگار نے جواب میں فرمایا: اگر وہ مجھے پکارے میں اسے جواب دوں گا۔

اس مقام پر ابان اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اس وقت ابراہیم نے یہ دعا کی:

"یَا أَحَدُ یَا صَمَدُ یَا مَنْ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُولَدْ وَ لَمْ یَکُنْ لَهُ کُفُواً أَحَدٌ"

اے احد، اے بے نیاز ذات، اے وہ جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

پھر فرمایا:

"اِنِی تَوَکَّلْتُ عَلَی اللهِ"۔

یعنی؛ میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں بھی تیرے لیے کفایت کرتا ہوں اور تجھے نجات دیتا ہوں۔ اور آگ سے فرمایا:

"کُونِي بَرْداً"

تو سرد ہو جا۔

اس وقت سردی اس قدر زیادہ ہو گئی کہ ابراہیمؑ کے سردی سے دانت بجنے لگے۔ یہاں تک کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَ سَلاماً عَلی إبْراهِیمَ"

ابراہیم کے لیے سلامتی ہو جا۔

اس وقت جبرائیلؑ ان کے پاس نیچے آئے اور ابراہیمؑ کے ساتھ آگ میں بیٹھ گئے اور ان سے محو گفتگو ہو گئے۔

نمرود نے جب یہ منظر دیکھا تو کہا ہم ہر ایک نے اپنے لیے معبود بنا رکھا ہے اور ہمیں چاہیے کہ ہم ابراہیمؑ کے معبود کی عبادت کریں۔ ایک شخص جوان میں بڑا تھا اس نے کہا: میں نے عزیمت کے ورد کو آگ پر پڑھا ہے کہ وہ اس کو نہ جلائے۔ جب اس نے یہ کہا تو ایک شعلہ اس کی طرف بڑھا اور اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اسے جلا دیا۔ (یہ معجزہ دیکھنے والوں میں سے) لوطؑ ان پر ایمان لے آئے اور پھر ابراہیمؑ نے سارا اور لوطؑ کو ساتھ لیکر اس جگہ سے ہجرت کی۔

حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھ میں زندہ ہونے والے پرندے

قرآن مجید نے سورۂ بقرہ آیت ۲۶۰ میں حضرت ابراہیمؑ کے اطمینان کی خاطر اُن کے ذریعے مردہ پرندوں کو زندہ کرنے کے معجزہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بارے میں حضرت امام رضا علیہ السلام نے ایک گفتگو کے دوران میں فرمایا: جب وہ چار پرندے زندہ ہو کر اپنی چونچوں سے مل گئے تو پرواز کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے:

اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ آپ کو زندہ رکھے کہ آپ نے ہمیں زندہ کیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

بعض روایات میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جن چار پرندوں کو حضرت ابراہیمؑ نے ذبح کیا تھا اور اُن کا گوشت ایک ساتھ ملا کر دس حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور وہ دوبارہ زندہ ہو گئے تھے وہ چار پرندے: مرغ، کبوتر، مور اور کوا تھے۔

حضرت ابراہیمؑ اور ایک عابد کا قصہ

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ایک مرتبہ ابراہیم خلیل اللہ اپنی بکریوں کو چرانے کوہ بیت المقدس کے پیچھے لے گئے۔ اسی دوران میں آپ علیہ السلام نے اچانک ایک آواز سنی اور ایک شخص کو دیکھا جو نماز پڑھ رہا تھا اس کا قد بارہ گز تھا (اس شخص کا نام ماریا ابن اوس ذکر ہوا ہے) جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے بندہ خدا! تم کس لیے نماز پڑھ رہے ہو اس نے جواب دیا خدائے آسمان کے لیے، ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کیا تم اپنی قوم سے بچھڑ گئے ہو۔ اس نے کہا نہیں پوچھا کھانا کہاں سے کھاتے ہو اس نے جواب دیا میں گرمیوں میں پھل جمع کرتا ہوں اور انھیں سردیوں میں کھاتا ہوں ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا تیرا گھر کہاں ہے اس نے ہاتھ سے پہاڑ کی طرف اشارہ کیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا مجھے تم اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاؤ میں تمہارے ساتھ آج رات گزارنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا میرے گھر کے راستے میں ایک دریا ہے جسے آپؑ عبور نہیں کر سکتے پوچھا تم وہ دریا کیسے عبور کرتے ہو۔ اس نے بتایا کہ میں اس کے پانی پر چل کر اسے عبور کرتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں تیرے ساتھ اس لیے جانا چاہتا ہوں کہ خدا نے جو کچھ رزق تیرے مقدر میں لکھا ہے شاید اس میں سے مجھے بھی کچھ عطا کرے، کہتے ہیں اس عابد نے ان کا ہاتھ پکڑا اور انھیں اپنے ہمراہ لے کر چل پڑا جب دریا پر پہنچے تو ان دونوں نے دریا کے پانی پر چلنا شروع کر دیا۔ اور اسے عبور کر کے اس کے گھر تک جا پہنچے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اس عابد سے پوچھا کہ کونسا دن بزرگ تر ہے، عابد نے کہا روزِ جزا کہ اس دن لوگوں سے باز پرس ہوگی۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہاتھ اٹھا کر خدا کی بارگاہ میں دعا کریں کہ ہمیں اس دن کے شر سے امن میں رکھے اس عابد نے کہا میں کس لیے دعا کروں کہ میں گزشتہ تیس سال سے خدا کی درگاہ میں دعا کرتا ہوں جو قبول نہیں ہوتی۔ ابراہیمؑ نے کہا میں تجھے بتاؤں کہ کیوں تیری دعا قبول نہیں ہوتی، کہنے لگا کیوں نہیں، آپؑ نے فرمایا جب خدا اپنے بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کی دعا محفوظ کر لیتا ہے تاکہ اس کا بندہ اس سے اپنا راز کہتا رہے اس سے خواہش رکھے اور طلب کرتا رہے اور جب خدا کسی بندے سے دشمنی رکھتا ہے تو اس کی دعا جلد مستجاب کرتا ہے یا اس کے دل میں نا امیدی پیدا کر دیتا ہے پھر آپؑ نے اس عابد سے کہا تو نے کیا دعا کی تھی، اس عابد نے بتایا کہ ایک مرتبہ بکریوں کا ایک ریوڑ میرے پاس سے گزرا اس ریوڑ کے ساتھ ایک بچہ تھا جس کی زلفیں اس کی پشت پر لٹک رہی تھیں۔ میں نے اس سے پوچھا اے فرزند یہ ریوڑ گوسفند کس کا ہے تو اس بچے نے جواب دیا، ابراہیم خلیل اللہ کا، میں نے خدا سے دعا کی کہ اگر اس زمین میں تیرا کوئی خلیل ہے تو اس سے میری ملاقات کروا دے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا خدا نے تیری دعا مستجاب کی ہے میں ابراہیم خلیل اللہ ہوں یہ سن کر وہ عابد آپؑ کے گلے لگ گیا۔ جب خدا نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مبعوث کیا تو ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا مقرر فرمایا۔

حضرت ابراہیمؑ کے خلیل اللہ ہونے کا راز

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کا لقب کیوں عطا فرمایا ہے اور آپ کس وجہ سے خلیل اللہ قرار پائے ہیں: خلیل کا معنی ایسا دوست ہے کہ جس کی دوستی اور محبت میں کسی قسم کا کوئی خلل نہ ہو۔ جناب طبرسیؒ نے سورۂ نساء کی آیہ مجیدہ ''واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا''۔

کی تفسیر میں لکھا ہے: اور یہ کہ ابراہیمؑ خلیل، خدا کے دوست تھے۔ یعنی دوستان خدا کے دوست اور دشمنان خدا کے دشمن تھے اور یہ کہ وہ خدا کے خلیل اور دوست تھے یعنی خدا ان کی دشمنوں اور ان کی برائی چاہنے والوں کے مقابلے میں ان کی مدد کرتا تھا جیسا کہ آتش نمرود سے انھیں نجات دلائی اور اُسے ان کے لیے ٹھنڈا کر دیا اور مصر میں داخل ہونے کے قصے میں اُن کی بادشاہ مصر سے حفاظت فرمائی اور انھیں لوگوں کا امام و پیشوا قرار دیا۔

امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے منقول ایک روایت میں ہے: خدا نے ابراہیم کو اپنا خلیل (اور دوست) بنایا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ان کی دوستی کا محتاج تھا بلکہ یہ اس بنا پر تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے مفید اور اس کی راہ میں کوشش کرنے والے بندے تھے۔

یہ روایت بھی اس بات کی شاہد ہے کہ زیر بحث آیت میں خلیل کا مطلب دوست ہی ہے۔

رہا یہ سوال کی اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو یہ مقام کن خصوصیات کی بنا پر عطا فرمایا ہے تو اس سلسلے میں روایات میں کئی ایک وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ جو سب ابراہیم کے انتخاب کی دلیل بن سکتی ہیں۔ ایک وجہ امام صادق علیہ السلام سے منقول ایک حدیث میں یوں بیان کی گئی ہے:

انما اتخذ اللہ ابراھیم خلیلا لانہ لم یرد احدا و لم یسئل احدا اقط غیر اللہ۔

یعنی خدا تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا خلیل اس لئے بنایا کیونکہ انھوں نے کبھی کسی سوال اور تقاضا کرنے والے کو محرام نہیں کیا اور کبھی کسی سے سوال اور تقاضا نہیں کیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ مقام زیادہ سجدہ کرنے، بھوکوں کو کھانا کھلانے اور رات کی تاریکی میں نماز پڑھنے یا پروردگار کی طاعت کے لئے کوشاں رہنے کی وجہ سے حاصل ہوا۔

حضرت ابراہیمؑ کو خلیل خدا بننے کی جو وجوہات ذکر ہوئی ہیں اُن میں سے بعض بہت ہی سبق آموز ہیں۔ جیسا کہ شیخ صدوقؒ نے علل الشرائع اور عیون الاخبار میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل قرار دیا ہے چونکہ اُنھوں نے کبھی کسی کو اپنے گھر سے (خالی) نہیں لوٹایا اور کبھی بھی خدا کے سوا کسی اور سے درخواست نہیں کی۔

ایک اور حدیث میں جناب کلینیؒ نے امام جعفر صادق علیہ السلام نقل کیا ہے کہ امام نے فرمایا: ابراہیمؑ مہمان نواز تھے جب اُن کے پاس کوئی مہمان نہ آتا تو مہمان کی تلاش میں وہ گھر سے نکل پڑتے اور اپنے گھر کے دروازوں کو تالا لگا دیتے اور اُن کی چابیاں اپنے ساتھ لے جاتے۔ ایک دن اُنھوں نے اپنے گھر کے دروازوں کو بند کیا اور باہر چلے گئے۔ جب واپس آئے تو دیکھا گھر کے دروازے کھلے ہیں اور مرد نما ایک شخص کو اپنے گھر میں دیکھا تو اس سے کہا: اے بندۂ خدا تم کسی کی اجازت سے اس گھر میں داخل ہوئے ہو؟

اُس نے جواب دیا: اپنے پروردگار کی اجازت سے اور یہ جملہ اُس نے تین بار کہا۔

حضرت ابراہیمؑ سمجھ گئے کہ یہ جبرائیلؑ ہے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

پھر اُس نے ابراہیمؑ کی طرف رخ کر کے کہا: تیرے پروردگار نے مجھے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کے پاس بھیجا ہے کہ جسے اُس نے اپنا خلیل بنایا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا: مجھے بتاؤ وہ بندہ کون ہے تا کہ جب تک زندہ ہوں اُس کی خدمت کرتا رہوں؟

(جبرائیلؑ نے) کہا: تم ہی وہ خلیل خدا ہو۔

ابراہیمؑ نے پوچھا: کس وجہ سے؟

کہا: کیونکہ تو نے ابھی تک کسی سے کوئی چیز نہیں مانگی اور نہ ہی تم سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور تم نے اس کا جواب نہ دیا ہو۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو کس وجہ سے اپنا خلیل بنایا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: زمین پر بہت زیادہ سجدہ کرنے کی وجہ سے۔

ایک اور روایت میں جابر انصاری کہتے ہیں میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل (دوست) اس لیے نہیں بنایا سوائے اس لیے کہ وہ فقراء اور دوسرے لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے اور جب لوگ سوئے ہوتے تو وہ اللہ کی خاطر نماز پڑھتے تھے۔

ذبح عظیم کی تفسیر

''وفدیناہ بذبح عظیم'' کے بارے میں امام رضا علیہ السلام سے جو منقول ہے وہ کچھ یوں ہے: شیخ صدوق روایت کرتے ہیں کہ فضل بن شاذان سے نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے امام رضا علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا: جب خداوند متعال نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا ہے اپنے بیٹے کی جگہ دنبے کو ذبح کر دے تو ابراہیم علیہ السلام کے دل میں گذری کہ کاش میں اپنا بیٹا اسمٰعیل اپنے ہاتھ سے خدا کی راہ میں ذبح کرتا اور مجھے بیٹے کی جگہ دنبہ ذبح کرنے کا حکم نہ ملتا تا کہ اس طرح وہ اس باپ کا احساس پاتے جس نے اپنے سب سے پیارے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہوتا ہے اور اس کے مصائب برداشت کرنے پر انھیں ثواب کے بلند ترین مراتب نصیب ہوتے خداوند متعال نے ابراہیم علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ

اے ابراہیم علیہ السلام! آپ کے نزدیک میری محبوب ترین مخلوق کون ہے؟

عرض کیا: خداوندا! تو نے اب تک ایسی مخلوق خلق نہیں فرمائی جو میرے نزدیک تیرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبوب ہو۔

وحی آئی: اے ابراہیم! آپ ان سے زیادہ محبت کرتے ہیں یا اپنے آپ سے؟

عرض کیا: ان سے

وحی آئی: اے ابراہیم! کیا آپ ان کے بیٹے سے زیادہ محبت کرتے ہیں یا اپنے بیٹے سے؟

عرض کیا: ان کے بیٹے سے

وحی آئی: کیا آپ ظلم وستم کی وجہ سے دشمنوں کے ہاتھوں ان کے بیٹے کا سر جدا ہونے سے آپ کو زیادہ صدمہ پہنچتا ہے یا میری اطاعت کی بنا

پر اپنے ہاتھوں اپنے بیٹے کا سر جدا کرنے سے؟

عرض کیا: دشمنوں کے ہاتھوں ان کے بیٹے کا سر جدا ہونے سے مجھے زیادہ صدمہ پہنچتا ہے

خداوند متعال نے ارشاد فرمایا: لوگوں کا ایک گروہ جو اپنے آپ کو امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے کو گوسفند کی مانند ذبح کریں گے اور اپنے اس کام کی وجہ سے میرے غضب کے مستحق قرار پائیں گے۔

ابراہیم علیہ السلام اس حقیقت سے آگاہ ہو کر جزع وفزع کرنے لگے، ان کو سخت صدمہ ہوا اور گریہ و بکاء کرنے لگے چنانچہ اللہ تعالی نے انھیں وحی فرمائی: اے ابراہیم علیہ السلام! حسین علیہ السلام اور ان کے قتل پر آپ کے اس جزع وفزع کی بنا پر میں نے اسمعیل علیہ السلام پر آپ کے غم اور رنج کو (اگر آپ انھیں ذبح کرتے) قبول کرلیا اور مصائب پر صبر کی پاداش میں ثواب کے بلندترین درجات آپ کے نصیب کروں گا (امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں) یہی ہے اللہ تعالی کے اس قول کا مطلب کہ ''وفدینا ہ بذبح عظیم''، ہم نے ذبح عظیم اور عظیم قربانی کو اسمعیل علیہ السلام کی قربانی کا فدیہ اور عوض قرار دیا۔

لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقدر شدہ عمر پر راضی ہونا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: آپ کی عمر زیادہ ہے اور موت نزدیک ہوگئی ہے۔ کیا ہی اچھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تا کہ آپ کی عمر طولانی ہو جائے اور آپ سالہا سال تک ہمارے درمیان رہیں اور ہماری آنکھوں کی روشنی بنیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کی دعا قبول کرلی اور انھیں وحی کی جس قدر عمر چاہتے ہو زیاد کر دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کے ساتھ مشورہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ اس وقت تک موت نہ جب تک تم خود موت کی خواہش نہ کرو۔ ابراہیم کی یہ دعا بھی قبول ہوگئی۔ اب سارہ نے کہا: کیا ہی اچھا ہے کہ اب اس نعمت کے شکرانہ کے طور پر آپ ایک دعوت کا اہتمام کریں جس میں غریبوں اور مساکین کو کھانا کھلایا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت کا اہتمام کیا اور غریبوں اور مساکین کو کھانے پر بلایا۔ بہت سے لوگ آئے ان میں ایک نابینا اور ضعیف بوڑھا شخص بھی تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور اُسے دستر خوان پر بیٹھایا۔

اس دوران ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ بوڑھا کھانے کے لیے لقمہ اُٹھاتا تھا اور اپنے منہ کی طرف لے جانا چاہتا لیکن بہت زیادہ کمزور ہونے کی وجہ سے اُس کا ہاتھ کانپنے لگتا اور وہ صحیح طرح لقمہ اپنے منہ میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ اس بوڑھے نے ایک اور لقمہ اُٹھایا لیکن اُسے بھی منہ میں نہ ڈال سکا۔ لہذا اپنے ساتھی کی مدد سے وہ لقمے منہ میں ڈالنے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس بوڑھے شخص کی اس حالت کو دیکھ کر حیران ہوگئے۔ اُنھوں نے اس کے ساتھی شخص سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ بوڑھا اور ضعیف ہونے کی وجہ سے وہ خود کھانا نہیں کھا سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا: کیا میں بھی بوڑھا ہو کر اس شخص کی طرح ہو جاؤں گا؟ اس وقت اُنھوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی موت طلب کی اور بارگاہ الٰہی میں کہا: اے اللہ! جو موت میرے مقدر میں لکھی ہے وہی مجھے عطا فرما اور میں زیادہ عمر نہیں چاہتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات

امام صادق علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ جب خدا نے چاہا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کی روح قبض کرے تو ملک الموت کو بھیجا، ملک الموت نے ابراہیمؑ سے کہا آپؑ پر درود ہو۔ ابراہیمؑ نے کہا دعوت کے لیے آئے ہو یا موت کے لیے ملک الموت نے جواب دیا موت کے واسطے اور چاہئے کہ آپ اس کو قبول کریں۔ ابراہیمؑ نے کہا کیا دوست بھی کبھی دوست کو موت دیتا ہے۔ ملک الموت واپس ہوئے اور خدا کے سامنے جا کر عرض کیا۔ رب العزت آپ نے سنا ابراہیمؑ نے کیا کہا ہے۔ ارشاد خداوندی ہوا دوبارہ جاؤ اور ابراہیمعلیہ السلام سے کہو تم اس دوست کو مت دیکھو جو دوست سے دوست کی ملاقات کو ہٹاتا ہے۔ (روح قبض کرتا ہے) بلکہ اس دوست کو دیکھو جو تم سے ملاقات کا خواہش مند ہے اور وہی تمہارا دوست ہے۔

کیا آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی والد تھا؟

ہمارے مفسرین نے اس سوال کا جواب اس طرح دیا ہے: لفظ ''اب'' عربی زبان میں عام طور پر باپ کے لئے بولا جاتا ہے، اور جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات چچا، نانا، مربی ومعلم اور اسی طرح وہ افراد کہ جو انسان کی تربیت میں کچھ نہ کچھ زحمت ومشقت اٹھاتے ہیں، ان پر بھی بولا جاتا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ جب یہ لفظ بولا جائے اور کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو پھر معنی کے لئے پہلے باپ ہی ذہن میں آجاتا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سچ مچ اوپر والی آیت یہ کہتی ہے کہ آزر جیسا بت پرست شخص حضرت ابراہیم (علی※ السلام) کا باپ تھا تو کیا ایک بت پرست اور بت ساز شخص ایک اولوالعزم پیغمبر کا باپ ہو سکتا ہے؟ اس صورت میں کیا انسان کی نفسیات وصفات کی وراثت اس کے بیٹے میں برے اثرات پیدا نہیں کرے گی؟

اہل سنت مفسرین کی ایک جماعت نے پہلے سوال کا مثبت جواب دیا ہے اور آزر کو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا حقیقی باپ سمجھا ہے، جب کہ تمام مفسرین وعلماء شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا باپ نہیں تھا، بعض اسے آپ کا نانا اور بہت سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا چچا سمجھتے ہیں۔ وہ قرائن جو شیعہ علماء کے نقطہ نظر کی تائید کرتے ہیں حسب ذیل ہے:

ا۔ کسی تاریخی منبع ومصدر اور کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر بیان نہیں کیا گیا، بلکہ سب نے ''تارخ'' لکھا ہے۔ کتب عہدین میں بھی یہی نام آیا ہے، قابل توجہ بات یہ ہے کہ جو لوگ اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر تھا، یہاں انھوں نے ایسی توجیہات کی ہیں جو کسی طرح قابل قبول نہیں ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ اور اس کا لقب آزر تھا، حالانکہ یہ لقب بھی منابع تاریخ میں ذکر نہیں ہوا، یا یہ کہ آزر ایک بت تھا کہ جس کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ پوجا کرتا تھا حالانکہ یہ احتمال اوپر والی آیت کے ظاہر کے ساتھ جو یہ کہتی ہے کہ آزر ان کا باپ تھا، کسی طرح بھی مطابقت نہیں رکھتا، مگر یہ کہ کوئی جملہ یا لفظ مقدر مانیں جو کہ خلاف ظاہر ہو۔

۲۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ مسلمان یہ حق نہیں رکھتے کہ مشرکین کے لئے استغفار کریں اگرچہ وہ ان کے عزیز واقربا ہی ہوں۔ لہذا کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ کوئی آزر کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کو بہانہ بنا کر مشرکین کے لیے استغفار کرتا پھرے۔ جیسا کہ قرآن نے فرمایا:

''وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلاَّ عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لأَوَّاهٌ

حَلِيمٌ“۔

یعنی: اور ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ (یعنی چچا آزر، جس نے آپ کو پالا تھا) کے لئے دعائے مغفرت کرنا صرف اس وعدہ کی غرض سے تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے، پھر جب ان پر یہ ظاہر ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے (اس سے لاتعلق ہو گئے اور پھر کبھی اس کے حق میں دعا نہ کی)۔ بیشک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے دردمند (گریہ و زاری کرنے والے اور) نہایت بردبار تھے۔

پس ابراہیم (علیہ السلام) کی اپنے باپ آزر کے لئے استغفار صرف اس وعدہ کی بنا پر تھا جو انھوں نے اس سے کیا تھا، چونکہ آپ نے یہ کہا تھا کہ:

”قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا“

یعنی؛ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا: (اچھا) تمھیں سلام، میں اب (بھی) اپنے رب سے تمھارے لیے بخشش مانگوں گا، بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے (شاید تمھیں ہدایت عطا فرمادے)۔

یہ اس امید پر تھا کہ شاید وہ اس وعدہ کی وجہ سے خوش ہوجائے اور بت پرستی سے باز آجائے لیکن جب اسی بت پرستی کی راہ میں پختہ اور ہٹ دھرم پایا تو اس کے لئے استغفار سے دستبردار ہو گئے۔

اس آیت سے اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے آزر سے مایوس ہوجانے کے بعد پھر کبھی اس کے لئے طلب مغفرت نہیں کی اور ایسا کرنا مناسب بھی نہیں تھا، تمام قرائن اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جوانی کے زمانے کا ہے جب کہ آپ شہر بابل میں رہائش پذیر تھے اور بت پرستوں کے ساتھ مبارزہ اور مقابلہ کر رہے تھے۔

لیکن قرآن کی دوسری آیات نشاندہی کرتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آخری عمر میں خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد اپنے باپ کے لئے طلب مغفرت کی ہے البتہ ان آیات میں آپؑ نے باپ ”اب“ نہیں کہا بلکہ ”والد“ کہا ہے جو صراحت کے ساتھ باپ کے مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

” أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی وَهَبَ لِی عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّی لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ--- رَبَّنَا اغْفِرْ لِی وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ“۔

یعنی؛ حمد ثنا اس خدا کے لئے ہے کہ جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا کئے، میرا پروردگار دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے، اے پروردگار مجھے، میرے ماں باپ اور مومنین کو قیامت کے دن بخش دے۔

اس آیت کو سورہ توبہ کی آیت کے ساتھ ملانے سے جو مسلمانوں کو مشرکین کے لئے استغفار کرنے سے منع کرتی ہے اور ابراہیمؑ کو بھی ایسے کام سے، سوائے ایک مدت محدود کے وہ بھی صرف ایک مقدس مقصد و ہدف کے لئے، روکتی ہے، اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ زیر بحث آیت میں ”اب“ سے مراد باپ نہیں ہے بلکہ چچا یا نانا یا کوئی اور اسی قسم کا رشتہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں ”والد“ باپ کے معنی میں صریح ہے جب کہ ”اب“ میں صراحت نہیں پائی جاتی۔

قرآن کی آیات میں لفظ ”اب“ ایک مقام پر چچا کی لئے بھی استعمال ہوا ہے مثلاً سورۂ بقرہ آیت ۱۳۳:

"قَالُوا نَعْبُدُ إِلٰهَکَ وَإِلٰهَ آبَائِکَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلٰهًا"۔

یعنی؛یعقوب کے بیٹوں نے اس سے کہا ہم تیرے خدا اور تیرے آباء ابراہیم واسماعیل واسحاق کے خدائے یکتا کی پرستش کرتے ہیں۔

ہم یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اسماعیل-،یعقوب- کے چچا تھے باپ نہیں تھے۔

۳۔مختلف اسلامی روایات سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے،پیغمبر اکرم ﷺ کی ایک مشہور حدیث میں آنحضرتؐ سے منقول ہے:

لم یزل ینقلنی اللہ من اصلاب الطاهرین الی ارحام المطهرات حتی اخرجنی فی عالمکم هذا لم یدنسنی بدنس الجاهلیه۔

یعنی؛خداوندتعالی مجھے ہمیشہ پاک آباءواجداد کے صلب سے پاک ماؤں کے رحم میں منتقل کرتا رہااور اس نے مجھے کبھی زمانۂ جاہلیت کی آلودگیوں اور گندگیوں سے آلودہ نہیں کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ زمانہ جاہلیت کی واضح ترین آلودگی شرک وبت پرستی ہےاور جنھوں نے اسے آلودگئ زنا میں منحصر سمجھا ہے ان کے پاس اپنے قول پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔خصوصاً جبکہ قرآن کہتا ہے کہ:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ۔

مشرکین گندگی میں آلودہ اور ناپاک ہیں۔

اہل سنت مفسر طبری نے اپنی تفسیر جامع البیان میں مشہور مفسر مجاہد سے نقل کیا ہے کہ وہ صراحت کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ آزر ابراہیم کا باپ نہیں تھا۔

اہلِ سنت مفسر آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ کہ آزر ابرہیم کا باپ نہیں تھا شیعوں سے مخصوص ہے ان کی کم اطلاعی کی وجہ سے ہے کیونکہ بہت سے علماء (اہلِ سنت) بھی اسی بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ آزر ابرہیم کا چچا تھا۔

اہل سنت عالم سیوطی نے کتاب "مسالک الحنفاء میں فخر الدین رازی کی کتاب "اسرار التنزیل" سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ- کے ماں باپ اور اجداد کبھی بھی مشرک نہیں تھے اور اس حدیث سے جو ہم اُوپر پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل کر چکے ہیں، استدلال کیا ہے۔اس کے بعد سیوطی خود اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:"ہم اس حقیقت کو دو طرح کی اسلامی روایات سے ثابت کر سکتے ہیں۔پہلی قسم کی روایات تو وہ ہیں جو کہتی ہیں کہ پیغمبر ﷺ کے آباؤاجداد حضرت آدمؑ تک ہر ایک اپنے زمانے کا بہترین فرد تھا (ان احادیث کو صحیح بخاری اور دلائل النبوۃ سے بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے) اور دوسروں قسم کی روایات وہ ہیں جو یہ کہتی ہیں کہ ہر زمانے میں موحد وخدا پرست افراد موجود رہے ہیں، ان دونوں قسم کی روایات کو باہم ملانے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اجداد پیغمبر کہ جن میں سے ایک ابرہیم کے باپ بھی ہیں یقیناً موحد تھے۔**

** اس نقطۂ نظر کو درست مان لیا جائے تو پھر مصنف نے جو روایت اس سے قبل نقل کی ہے جس کے مطابق آزر حضرت ابراہیمؑ کا صلبی باپ تھا اس کا ناقدانہ جائزہ لینا پڑے گا۔البتہ ہماری اپنی رائے یہی ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کا صلبی باپ نہ تھا۔(ث ا)

حوالہ جات

۱۔سورۂ انعام ۷۴۔۷۹

۲۔آیت اللہ سبحانی ۔منشور جاوید، ج۱۱ص ۲۰۹

۳۔قطب راوندی، قصص الانبیاء، آستان قدس رضوی، ج ۱ص ۲۹۸

۴۔کلینی ،الکافی طبع اسلامیہ، ج ۸،ص ۱۷۳

۵۔کلینی ،روضہ الکافی ص ۱۶۰، کمال الدین ص ۸۳

۶۔کلینی ،روضہ الکافی ص ۳۷۰

۷۔مجلسی، بحارالانوار، ج ۱۲ص ۳۲

۸۔تفسیر قمی ،ص ۴۲۹

۹۔سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۸

۱۰۔کلینی ،الکافی ،طبع اسلامیہ ،ج ۸، ج ۸، ح ۵۵۹ ص ۳۷۰

۱۱۔تفسیر نورالثقلین، ج۱ص ۲۷۶

۱۲۔شیخ صدوق، علل الشرایع ص ۱۹۵

۱۳۔امالی، شیخ صدوق ص ۱۷۸

۱۴۔نساء۔آیت ۱۲۵

۱۵۔مجمع البیان، ج ۶ص ۳۹۱

۱۶۔ایضاً

۱۷۔شیخ صدوق، علل الشرایع ص ۲۳؛ عیون الاخبار ص ۲۳۱

۱۸۔کلینی ،فروع کافی ص ۲۱۷؛ بحارالانوار، ج ۱۲ص ۱۳

۱۹۔علل الشرایع ص ۱۳

۲۰۔علل الشرایع ص ۴۱

۲۱۔سورۂ صافات، آیت ۱۰۷

۲۲۔شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا، ج ۲ص ۱۸۸

۲۳۔علل الشرایع ص ۲۴؛ امالی، صدوق ص ۱۸۸

۲۴۔سورہ توبہ: ۱۱۴

۲۵۔سورۂ مریم، آیت ۴۷

۲۶۔سورۂ توبہ آیہ ۲۸

۲۷۔جامع البیان جلد ۷ صفحہ ۱۵۸

۲۸۔تفسیر روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۱۶۹

۲۹۔ماخوذ از تفسیر نمونہ جلد ۵

''کربلا'' درسگاہِ انسانیت

حجۃ الاسلام مولانا سید فدا حسین بخاری، مانچسٹر انگلینڈ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تحقیق تمھارے لیے اللہ کے رسولؐ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔(احزاب۔۲۱)

ایک دوسری آیت میں یوں ارشاد فرمایا:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

اور رسول جو تمھیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں، اس سے رک جاؤ! اور اللہ کا خوف کرو! یقیناً اللہ کا عذاب بہت شدید ہے۔(حشر۔۷)

ان دو آیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک مسلمان اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس کے لیے رسول پاکؐ کی زندگی ماڈل اور نمونہ ہے اور اسے چاہیے کہ اپنی زندگی کو رسول پاکؐ کی سیرت وسنت کے مطابق گزارے اور جو رسول کریمؐ سے آپؐ کی سنت کی شکل میں اسے ملا ہے یا پہنچا ہے، اس کو اپنا لے اور اس پر عمل کرے اور آپؐ کی طرف سے جس چیز سے منع کر دیا گیا ہے اس سے اجتناب کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی سیرت و سنت (قول، فعل اور تقریر) کو حجت قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ O إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

وہ میرا رسولؐ خواہش نفس سے نہیں بولتا۔ وہ وہی کہتا ہے جو وحی ہوتی ہے۔ (نجم۔ ۳ و ۴)

''اِلَّا وَحيٌ يُوحىٰ'' کی مصداق زبان سے یہ حدیث وجود میں آئی ہے:

اِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَ اَحَدُھُمَا اَکْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ کِتَابُ اللّٰہِ حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ وَ عِتْرَتِیْ اَھْلُ بَیْتِیْ اَلَا وَ اِنَّھُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ۔

میں تم میں سے دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم نے ان کا دامن تھامے رکھا تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ (ان دو چیزوں میں) ایک اللہ کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین کی طرف متصل کھینچی گئی رسی ہے اور دوسری میری عترت اہل بیتؑ ہیں۔ جان لو کہ یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر تک پہنچ جائیں۔ (بحار الانوار ج ۲۳ ص ۱۰۶۔ کنز العمال، ص ۷۰)

قرآن مجید کی مذکورہ آیات اور رسول پاکؐ کی اس حدیث مبارک اور اس جیسی متعدد احادیث جن میں اہل بیتؑ اطہارؑ کو انسانوں کے لیے رہبر و رہنما قرار دیا گیا ہے، سامنے رکھتے ہوئے ایک اور نتیجہ حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید اور سنت رسولؐ کے ساتھ ساتھ اہل بیتؑ کی سنت و سیرت بھی انسانوں کے لیے حجت ہے۔ جس طرح قرآن مجید ''ھدی للناس'' ہے اسی طرح اہل بیتؑ بھی ''ھدی للناس'' ہیں۔ جس طرح قرآن مجید لاریب ہے اسی طرح اہل بیتؑ بھی بے عیب ہیں۔ جس طرح قرآن مجید معصوم ہے (لَا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ) اسی طرح اہل بیتؑ اطہارؑ بھی معصوم ہیں اور ہر قسم کے رجس سے پاک و پاکیزہ ہیں اور اس پر سورہ احزاب کی آیت ۳۳ گواہ ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا

اللہ کا تو یہ ارادہ ہے کہ اے اہل بیت! تم سے ہر قسم کے رجس کو دور رکھے اور تمھیں ایسا پاک و پاکیزہ رکھے جیسا کہ پاکیزگی کا حق ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اہل بیتؑ کا کوئی فرد ہو یا ان کی اولاد میں سے ائمہ اطہارؑ ہوں۔ سب کے سب مسلمانوں کے لیے حجت ہیں۔ ان کا ہر قول و فعل ہمارے لیے حجت ہے۔

محترم قارئین! زیر نظر مقالے کا عنوان ''کربلا درسگاہِ انسانیت'' ہے۔ اس میں ہم نے کوشش کی ہے امام حسینؑ جو کہ کربلا کے معرکہ حق و باطل میں مرکزی کردار ہیں، ان کے اس قیام کے علل و اسباب اور اہداف و مقاصد کو بیان کریں اور نتائج کا جائزہ لیں اور ان تربیتی پہلوؤں کو اجاگر کریں جو انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں تاکہ کربلا اور عاشورا کو بہتر انداز میں پہچانا جائے اور اس سے ایسے راہنما اصول اخذ کیے جا سکیں جو انسانیت کے لیے مینارۂ نور ہیں۔ کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ امام حسینؑ کا اقدام اور قیام ہمارے لیے کیونکر حجت ہے کہ ہم اس سے عبرت حاصل کریں اور اپنے لیے اسے نمونہ اور ماڈل قرار دیں اور اپنی زندگیوں میں عاشورائی کلچر کو تقویت دیں تو اس کا جواب ہم نے مقالے کی تمہیدی سطور میں دے دیا ہے۔

مزید وضاحت یہ ہے کہ جس طرح قرآن و سنت رسول اکرمؐ ہماری ہدایت اور راہنمائی کے لیے منبع اور مآخذ ہیں، اسی طرح اہل بیت اطہارؑ کی سنت بھی ہمارے لیے حجت ہے اور پھر امام حسینؑ کی سیرت و سنت بھی رسول اکرمؐ کی سنت کا ہی پرتو ہے اور اسی پر سرکار دو عالمؐ کی حدیث نے مہر

تصدیق ثبت کردی ہے جس میں آپ ؐ نے فرمایا:

حُسَیْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَیْنٍ أَحَبَّ اللهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَیْنًا

حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِنَ الأَسباط

حسین مجھ سے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ اس سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے۔ حسین اسباط میں سے ہیں۔(بحارالانوار، ج ۴۳، ص ۲۶۱)

اس حدیث کے مطابق حسینؑ رسول پاک ؐ اور ان کے لائے ہوئے دین کی بقاء کے ضامن ہیں اور الٰہی محبت کا مرکز ہیں اور جو شخصیت اللہ کی محبت کا مرکز قرار پاتی ہے، اس کا عمل ہمارے لیے حجت اور رہنما ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول پاک ؐ سے منقول ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا:

إِنَّ الحُسَینَ مِصْبَاحُ الْهُدٰی وَ سَفِینَۃُ النَّجاۃِ۔

حسینؑ ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہیں۔(مقتل المقرم۔ عیون اخبار الرضا)

پس جو بھی ہدایت کا متمنی اور نجات کی فکر میں ہے اسے چاہیے کہ امام حسینؑ کی پیروی کرے۔ ہدایت کا یہ چراغ قیامت تک روشن ہے اور اس کی روشنی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

رسول پاک ؐ کی ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

إِنَّ لِقَتْلِ الْحُسَیْنِ حَرَارَۃٌ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِینَ لَنْ تَبْرُدَ أَبَداً

حسینؑ کے قتل سے مومنین کے دلوں میں ایسی حرارت پیدا ہوگی جو کبھی سرد نہ ہوگی۔(مستدرک الوسائل، ج ۱۰، ص ۳۱۸)

پس حسینؑ ایسی ہستی کا نام ہے جس سے حیات کو روشنی اور حرارت ملتی ہے۔ شاید اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

رمزِ قرآن از حسین آموختیم

ز آتش او شعلہ ھا اندوختیم

خود امام عالی مقامؑ فرماتے ہیں:

وَلَکُمْ فِیَّ اُسْوَۃٌ۔

اور تمھارے لیے میری زندگی نمونۂ عمل ہے۔(موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ، ص ۳۲۱)

یہ حدیث بھی ہماری راہنمائی فرما رہی ہے کہ ہم امام حسینؑ کی زندگی اور خصوصاً قیام امام حسینؑ سے رہنمائی اخذ کریں۔ بنابریں سب سے پہلے ہم قیام سید الشہداءؑ کے اہداف و مقاصد کی طرف آتے ہیں۔ خود امامؑ کے کلام کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو اس قیام کے درج ذیل اہداف و مقاصد نظر آئیں گے:

۱۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

اس کے لیے ہمیں کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں خود امام حسینؑ کی وصیت جو انھوں نے اپنے بھائی محمد بن حنیفہ کے نام تحریر کی ہے، اس

میں آپؑ نے اپنے قیام کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اِنّی لَمْ اَخرُجْ اَشَرَاً وَ لاٰ بَطَراً وَ لاٰ مُفسِدًا وَ لاٰ ظٰالِماً وَ اِنَّمٰا خَرَجتُ لِطَلَبِ الْاِصْلاٰحِ فی اُمَّۃِ جَدّی (ص) اُرِیدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَ اَنْھیٰ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اَسِیْرَ بسیرَۃِ جَدّی وَ اَبی

میرا قیام شر اور فساد ار خودخواہی کے لیے نہیں بلکہ میرا ارادہ ہے کہ اپنے نانا کی امت کی اصلاح کروں اور سنت رسولؐ اور سنت امیرالمومنینؑ کا احیاء کروں۔ (مقتل خوارزمی)

۲۔حکومت اسلامی کی رہبری اہلبیتؑ کے ہاتھوں میں ہو:

یہ بات امام حسینؑ کے اس خط سے جسے تاریخ طبری نے نقل کیا ہے، روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ امامؑ اہل بصرہ کے نام اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

''امابعد! اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو منتخب کر کے اپنا نبی اور رسول بنایا اور اپنی بارگاہ میں بلا لیا۔ آنحضرتؐ نے بندگان خدا کو نصیحت کی اور پیغام الٰہی کو پہنچایا۔ ہم ان کے اہل بیتؑ، ان کے پیارے اور ان کے وارث ہیں۔ قوم نے ہمارے اوپر سبقت کی اور ہم نے برداشت کیا۔ چونکہ ہم تفرقے کو ناپسند کرتے ہیں اور عافیت چاہتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہم اس (ولایت وحکومت) کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ اس پیغام کے ذریعہ تمھیں کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ (وہ) سنت (جس) کو مردہ بنا دیا گیا ہے اور بدعت زندہ کی جارہی ہے۔ اگر تم میری بات مانو گے تو میں تمھیں حق کی ہدایت کروں گا۔'' (تاریخ طبری، ج۷، ص ۲۴۰)

امام حسینؑ نے منزل ''شراف'' پر نماز عصر کے بعد حُر کے لشکر سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اما بعد! ایھا الناس فانکم ان تتقوا اللہ و تعرفوا الحق لاھلہ یکن ارضی للہ عنکم و نحن اھل بیت محمد و اولی بولایۃ ھذا الامر علیکم من ھولاء المدعین مالیس لھم و السائرین فیکم بالجور و العدوان

اے لوگو! اگر تم خدا سے ڈرو اور اس بات کو قبول کرو کہ حق اہل حق کے ہاتھ میں ہو تو اس سے خدا راضی ہوگا۔ ہم اہل بیتؑ لوگوں پر ولایت و رہبری کے لیے ان لوگوں کو نسبت زیادہ حقدار ہیں جو ناحق (ولایت و رہبری) کے مدعی ہیں اور ہمیشہ ظلم و فساد کرتے ہیں۔ (تاریخ طبری، ج۷، ص ۲۴۰، ارشاد، شیخ مفید، ج۲، ۷۹)

۳۔ظالم حکمران کے خلاف قیام ضروری ہے:

امام حسینؑ نے اپنے ایک خط میں جو انھوں نے کوفہ کے سرکردہ افراد کو لکھا اور اس کے علاوہ اپنے خطاب میں جو انھوں نے منزل ''بیضہ'' پر حُر کے لشکر سے کیا، ارشاد فرمایا:

ان رسول اللہ (ص) قد قال: من رای سلطانا جائراً مستحلا لحرم اللہ ناکثا لعھد اللہ، مخالفا لسنۃ رسول اللہ، یعمل فی عباد اللہ بالاثم و العدوان۔ ثم لم یغیر بقول و لا فعل۔ کان حقیقتاً علی اللہ ان ید خلہ مدخلہ، و قد علمتم ان ھولاء القوم قد لز مواطاعۃ الشیطن و تولو اعن طاعۃ الرحمن و اظھر و الفساد و عطلوا

الحدود و استاثر وا بالفیء و احلوا حرام اللہ و حرموا حلالہ و انی احق بھذا الامر لقرابتی من رسول اللہ۔

(لوگو!) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی ایسے حکمران کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے، خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھتا ہے، عہد الٰہی کو توڑتا ہے، سنت نبویؐ کی مخالفت کرتا ہے، خدا کے بندوں پر گناہ اور سرکشی سے حکومت کرتا ہے اور یہ دیکھ کر اس کی نہ اپنے فعل سے مخالفت کرے نہ اپنے قول سے تو یقیناً خدا اس کو وہیں (جہنم میں) بھیجے گا جہاں اس حاکم کا ٹھکانہ ہے۔ دیکھو! ان لوگوں (بنی امیہ) نے شیطان کی پیروی کی ہے، اطاعت الٰہی سے انحراف کیا ہے، فتنہ وفساد کو پھیلا رکھا ہے، حدود اللہ معطل کر دیے ہیں، سلطنت پر ناجائز قبضہ کر لیا ہے، خدا کے حرام کو حلال اور حلال حرام قرار دے دیا ہے اور میں رسول اللہ کے ساتھ قرابت قریبہ کی وجہ سے ان لوگوں سے زیادہ اس امر کا حق دار ہوں۔ (انساب الاشراف، ج ۳، ص ۱۷۱۔ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۸۲)

۴۔ انکار بیعت:

یزید کی طرف سے مدینہ کے گورنر کو خط لکھا گیا کہ حسین ابن علیؑ سے میرے لیے بیعت طلب کرو۔ اگر وہ انکار کریں تو ان کا سر قلم کر کے میری طرف بھیج دو۔ گورنر نے یزید کی بیعت کا مطالبہ امام حسینؑ کے سامنے رکھا تو امامؑ نے جواب دیا:

ایھا الامیر! انا نحن اھل بیت النبوۃ و معدن الرسالۃ و مختلف الملائکہ و مھبط الرحمہ و بنا فتح اللہ و بنا یختم و یزید رجل شارب الخمر و قاتل نفس المحترمہ و معلن بالفسق مثلی لا یبایع مثلہ۔

اے گورنر! ہم اہل بیت نبوت ہیں، رسالت کی کان ہیں، فرشتوں کی رفت و آمد ہمارے گھر میں ہوتی ہے۔ اللہ نے ہم سے ہی شروع کیا اور ہم پر ہی ختم کرے گا۔ یزید شرابی فاسق اور محترم انسانوں کا قاتل ہے۔ مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔ (بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۲۵، تاریخ طبری، ج ۷، ص ۲۱۶)

قیام امام حسینؑ کے بارے میں شہید مطہریؒ کی تحقیق

شہید آیت اللہ مرتضیٰ مطہری امام حسینؑ کے قیام کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جس طرح دوسرے طبیعی اور اجتماعی حوادث وجود میں آنے کے لیے علت فاعلی اور علت غائی کے محتاج ہیں اسی طرح قیام امام حسینؑ بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

قیام امام حسینؑ کے تین بنیادی عوامل ہیں:

۱۔ ردِ بیعت۔ ۲۔ اہل کوفہ کی دعوت ۳۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

ان نکات کی وضاحت کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''محض ردِ بیعت ایک ''منفی عمل'' ہے۔ یعنی بیعت کا انکار کرنے کے بعد کسی اور ردِّ عمل کا اظہار نہ کرنا ایک منفی موقف ہے۔ مثال کے طور پر اگر امامؑ بنی امیہ کی طرف سے یزید کی بیعت کے مطالبہ کا نفی میں جواب دے کر خاموش بیٹھ جاتے تو

یہ ایک منفی موقف ہوتا۔لہٰذا اگر آپ محض بیعت یزید کو مسترد کرنا چاہتے تھے تو یہ عمل انجام دینے کے بعد خاموشی سے کسی طرف نکل جاتے۔جیسا کہ بعض لوگوں نے آپ کو مشورہ بھی دیا تھا کہ آپؑ کہیں دور چلے جائیں یا یمن کے پہاڑوں میں چھپ جائیں۔اگر امام محض سلبی موقف پر اکتفا کرنا چاہتے تو ان لوگوں کا یہ مشورہ صائب تھا کیونکہ مطالبۂ بیعت کو مسترد کر کے آپ نے اپنا یہ مقصد حاصل کر لیا تھا۔''

قیام امامؑ کے دوسرے عامل کے بارے میں شہید مطہریؒ فرماتے ہیں:

''دوسرا عامل اہل کوفہ کی دعوت ہے کوفہ سے ایک دو آدمیوں نے امامؑ کو دعوت نہیں دی، بلکہ بارہ ہزار سے زیادہ افراد نے امامؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی، اہل کوفہ نے اپنے خطوط میں لکھا تھا کہ ہم پوری قوت کے ساتھ آپؑ کے ساتھ ہیں۔وقت آچکا ہے کہ ہم آپؑ کے ساتھ قیام کریں۔ہم سب آپ سے تعاون اور آپؑ کی مدد کے لیے تیار ہیں۔

دوسرے لفظوں میں گویا امت یزید کے خلاف قیام کے لیے تیار ہوگئی تھی۔ان کو اب بس اپنی رہبری کے لیے ایک قائد و رہبر کی ضرورت تھی۔لہٰذا انھوں نے امام کو لکھا کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔آپؑ تشریف لائیں گے تو ہم زیادہ متحد و منظم ہو جائیں گے۔اس دعوت سے امامؑ پر حجت تمام ہوگئی۔اب یہ گنجائش نہیں تھی کہ امامؑ یہ فرماتے کہ میرے پاس انصار و اعوان نہیں ہیں۔اب امامؑ ان کی دعوت کو رد نہیں کر سکتے تھے۔اگر رد کرتے ہیں تو آنے والی تاریخ کو امامؑ کیا جواب دیں گے۔لہٰذا امامؑ نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور پوچھنے والوں کے جواب میں آپؑ فرماتے تھے کہ:''اہل کوفہ نے مجھے دعوت دی ہے۔یہ ان کے خطوط ہیں۔''

شہید مطہریؒ آگے چل کر فرماتے ہیں:

ردِ بیعت یعنی امامؑ کا یزید کی بیعت کو مسترد کرنے کا عمل، گویا امامؑ کی طرف سے خود اس منصب (خلافت) کا سزاوار اور حقدار ہونے کا اعلان ہے۔اس رد بیعت کے بعد اہل کوفہ کی دعوت بعد میں۔اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ اہل کوفہ کی دعوت امامؑ کو حرکت میں لائی۔(انکار بیعت ۲۷ رجب کو مدینہ میں ہوا اور اہل کوفہ کا پہلا خط ۱۰ رمضان المبارک کو مکہ میں موصول ہوا)۔

''قیام امام حسینؑ کا تیسرا عامل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔گو یہ بیان (کہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چاہتا ہوں) امامؑ سے رد بیعت کے بعد صادر ہوا لیکن امامؑ کے قیام کا سب سے بڑا عامل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی ہے۔لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ چونکہ انھوں نے بیعت طلب کی اس لیے امامؑ نے قیام کیا۔اگر بنی امیہ آپؑ سے بیعت طلب نہ بھی کرتے تب بھی آپؑ قیام کرتے۔اگر اہل کوفہ آپؑ کو دعوت نہ دیتے تب بھی آپؑ بنی امیہ کے خلاف فریضہ امر بالمعروف اور نہی المنکر کی وجہ سے قیام ضرور کرتے۔''(شہید مطہری کی کتاب حماسہ حسینی، ص ۲۱۰)

امام عالی مقامؑ نے سورہ آل عمران کی آیت ۱۱۰ پر عمل کر کے اس آیت کا حقیقی مصداق اور امت کا بہترین فرد ہونے کا ثبوت دیا جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

تم بہترین امت ہو جسے انسانوں کے لیے لایا گیا ہے تم نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر تمھارا

ایمان ہے۔(عمران۔۱۱۰)

اس آیہ مجیدہ پر عمل کر کے آپؑ نے قیامت تک اپنے پیروکاروں کو اس الٰہی فریضہ کی انجام دہی کی طرف رغبت دلائی ہے۔

امام حسینؑ اور آپؑ کے اعوان وانصار کی لازوال قربانی اسلام کی بقاء کی ضامن ہے۔ دورِ حاضر کا انسانی اجتماعی شعور اس بے مثال قربانی کی افادیت کا پہلے کی نسبت بہتر ادراک کر رہا ہے۔ جوں جوں انسانیت ترقی وکمال کی طرف بڑھے گی توں توں اس ذبح عظیم کی معرفت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ بقول جوش ملیح آبادی:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

شہادت کے نتائج

اب ہم ان نتائج کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو امام حسینؑ کی شہادت کے ساتھ ہی وقوع پذیر ہونا شروع ہو گئے۔

*حق وباطل کی تمیز

خاندان ابوسفیان نے بظاہر ۸ ہجری میں (آنحضورؐ کی وفات سے دو سال اور چند ماہ قبل) اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس خاندان کے خود ساختہ خلیفہ رسول کریمؐ کے جانشین بن کر مسلمانوں پر حکومت کر رہے تھے اور انھوں نے اسلام کے حقیقی چہرے کو مسخ کر کے رکھ دیا تھا۔ خلافت کو ملوکیت اور سلطنت میں تبدیل کر دیا گیا۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا جا رہا تھا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کی زحمتوں کو برباد کیا جا رہا تھا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ یزید بن معاویہ بن ابوسفیان تو اپنی بغاوت میں برسرِ عام کہہ رہا تھا:

لَعِبَتْ هاشِمِ بِالْمُلْکِ فَلاَ خَبَرٌ جاءَ وَ لاَ وَحْی نَزَلْ

نہ کوئی وحی آئی تھی اور نہ کوئی فرشتہ یہ تو حصول حکومت کے لیے بنی ہاشم کا ڈھونگ تھا۔

امام حسینؑ نے قیام کر کے اور شہید ہو کر بنی امیہ کے طاغوت کے چہرے سے دین داری کی جعلی نقاب اتار دی اور اس کا حقیقی چہرہ اور اس کی اصل حقیقت جو سراسر کفر وضلالت اور منافقت میں غلطاں تھی، کو بے نقاب کر دیا اور تاریخ انسانیت کو بتا دیا کہ منافقت اور منافقین زیادہ دیر چھپ کر نہیں رہ سکتے۔ آپؑ نے مسلمانوں کو ہی نہیں، بلکہ عالم انسانیت کو خبردار کیا کہ وہ انسانیت کے دشمنوں، ملوکیت کے بچاریوں اور نام نہاد مسلمانوں سے فریب نہ کھائیں۔ امامؑ کے قیام نے یہ بھی بتا دیا کہ اسلام اور ہے مسلمان حکمرانوں کا کردار اور ہے۔ امامؑ کی شہادت نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسلام کو محفوظ بنا دیا اور بتا دیا کہ

چڑھ جائے کٹ کے سر ترا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

*اجتماعی ضمیر کی بیداری

امام حسینؑ کی شہادت نے لوگوں کے ضمیر کو جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ لوگ جو ابھی تک خواب غفلت میں تھے اور انھیں بنی امیہ بھی اسلام کے خیر خواہ اور رسولؐ کے قریبی نظر آرہے تھے، انھیں ہوش آگیا۔ جب امت اسلامی کے چہرے پر امام حسینؑ کے خون کے چھینٹے پڑے تو اسے احساس گناہ ہوا کہ اس نے رسولؐ کے نواسے کا ساتھ کیوں نہ دیا۔

* قیام توابین

جن لوگوں نے امام حسینؑ کا ساتھ نہ دیا وہ اب شرمندہ تھے اور خود کو گنہگار تصور کر رہے تھے۔ لہٰذا اس گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لیے انھوں نے حکمرانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور ہر موقع پر بنی امیہ سے نفرت کا اظہار کیا۔ ان سے لڑے اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

*اہل بیتؑ سے محبت

قیام امام حسین علیہ السلام سے معاشرے میں ایک بیداری اور ایک نئے اخلاق نے جنم لیا اور وہ تھا اہل بیتؑ سے محبت اور بنی امیہ سے نفرت۔ کیونکہ انسان ہمیشہ مظلوم کی حمایت کرتے ہیں اور ظالم سے نفرت کرتے ہیں۔ عرب کے قبائل اور عام آدمی اپنے تھوڑے سے فائدہ کے لیے اپنے دین و دیانت کو بیچ دیتے تھے لیکن اس کے برعکس امام حسینؑ کے ساتھیوں نے ہر چیز کو چھوڑ کر عزت کی موت کو گلے لگایا اور وقت کے امامؑ پر اپنی جانوں کو نچھاور کر دیا۔ لوگوں کے لیے یہ بہت بڑا نمونہ تھا۔ اس نے انقلابی روح ایجاد کی کہ جو امام حسین علیہ السلام کے قیام سے پہلے مفقود تھی۔

* طاغوت وقت سے مبارزہ

امام حسینؑ کے قیام سے لوگوں میں طاغوت کے خلاف بات کرنے کا حوصلہ پیدا ہو گیا۔ امام حسینؑ کے قیام نے لوگوں کو درس دیا کہ ظلم کے سامنے نہ جھکیں، اپنی انسانیت کا سودا نہ کریں اور اسلام محمدیؐ کے نفاذ کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔ لوگوں نے بنی امیہ کی ظالمانہ حکومت کا بدلہ لینے کے لیے اقدامات کیے۔ انقلابی نظمیں، نعرے، اور امام کے خون کا بدلہ لینے کی تحریکیں معرض وجود میں آئیں۔ امامؑ کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد انقلاب توابین اور انقلاب مدینہ (واقعۂ حرہ) پیش آیا۔ اس کے بعد امیر مختار ثقفی نے ۶۶ ھ ق میں کوفہ میں انقلاب برپا کیا اور امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ انقلاب زید بن علی ۱۲۲ ھ ق میں وجود میں آیا۔ بنی عباس نے بھی امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے اور رضائے آل محمدؐ کے لیے تحریک چلائی اور بنی امیہ کا تختہ الٹ دیا۔ ان تحریکوں میں لوگ آزادی اور عدالت کے خواہاں تھے جو امام حسینؑ کے قیام کی بدولت ہی معرض وجود میں آئی تھیں اور قیامت تک آزادی کی ہر تحریک کا قائد حریت کا درس امام حسینؑ سے ہی سیکھ رہا ہے۔

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

تحریک کربلا کے تربیتی پہلو

تحریک کربلا عالم انسانیت کے لیے بالعموم اور عالم اسلام کے لیے بالخصوص بہت سے تربیتی پہلوؤں کی حامل ہے۔ ہم یہاں پر اہم ترین پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہیں:

۱۔دین پر ہر چیز کی قربانی:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ

اور ایمان والے تو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے ہی رکھتے ہیں۔(بقرہ،۱۶۵)

انسان فطری طور پر حب ذات، حب اولاد، حب ازواج، حب والدین، حب قوم اور حب وطن رکھتا ہے۔ اگر ایک انسان ان تمام محبتوں کو اللہ کی محبت پر نچھاور کرسکتا ہے تو وہ قرآن کی اصطلاح میں صاحب ایمان کہلانے کا حقدار ہوتا ہے۔ چونکہ قرآن فرمارہا ہے: ایمان والے اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کربلا میں امام حسینؑ نے ان تمام محبتوں کو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے قربان کردیا اور رہتی دنیا تک انسانوں کے لیے پیغام ابدی دے گئے کہ دین پر ہر چیز کو قربان کیا جاسکتا ہے، لیکن دین کو کسی چیز پر قربان نہیں کیا جاسکتا۔

مکتب امام حسینؑ کے فرزند امام خمینیؒ کا بھی یہ پیغام ہوتا تھا کہ دین ایسی چیز ہے کہ جس پر قیمتی ترین چیز (امام حسینؑ جیسی ہستی) قربان کی جاسکتی ہے لیکن دین کو کسی پر قربان نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔حق کی لڑائی کے لیے ہر سن وسال کا مجاہد:

کربلا ہمیں درس دیتی ہے کہ اسلام کی بقاء کے لیے، حق کے دفاع کے لیے اور امامت کی حفاظت کے لیے ہر سن وسال کے مجاہد کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے نوے سال کا مجاہد حبیب بن مظاہر بھی چاہیے، علی اکبرؑ جیسا کڑیل جوان بھی چاہیے اور شش ماہہ علی اصغرؑ بھی چاہیے۔ اصحاب حسینی میں پیر و جواں، سیاہ سفید، آزاد و غلام اور بچے بوڑھے، غرضیکہ ہر عمر کے مجاہد موجود تھے۔ ۳۔امامؑ نے حق کی خاطر ہر ایک کو قربان کردیا لیکن باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا اور اپنا ہاتھ باطل کے ہاتھ میں نہیں دیا۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے کیا خوب کہا ہے:

سر داد نداد دست در دست یزید　　حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

۳۔افراد کی کمی کے باوجود حق گوئی کا اظہار:

عاشورہ، امام علیؑ کے کلام کی کامل جلوہ گاہ ہے۔ امام علیؑ فرماتے ہیں:

ایھا الناس لا تستوحشوا فی طریق الھدی لقلة اھله۔

حق کے راستے میں افراد کی کمی کی وجہ سے مت گھبراؤ۔(نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۱)

جب کوئی شخص یا قوم اپنے ہدف اور مقصد کی سچائی اور حقانیت پر ایمان رکھے تو پھر اسے افراد کی کمی سے نہیں گھبرانا چاہیے اور حق کے محاذ سے اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹانے چاہئیں۔ امام حسینؑ اگر تنہا بھی ہوتے تو ظالم کے آگے نہ جھکتے اور قیام کرتے کیونکہ آپؑ اس آیہ مجیدہ کی تفسیر ہیں:

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى

کہہ دیجیے! کہ میں صرف اس بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لیے ایک ایک، دودو کر کے قیام کرو۔ (سبا۔ ۴۶)

۴۔ مجاہدات اور عبادات:

کربلا میں دشمن سے مبارزہ اور جنگ کرتے ہوئے عبادت کو فراموش نہیں کیا گیا۔ جہاد کے ساتھ ساتھ نماز اور عبادت کی ایسی مثال قائم کی گئی کہ رہتی دنیا تک ایسی مثال قائم نہ ہو سکے گی۔

شب عاشورہ امامؑ اور آپؑ کے جانباز اصحابؓ ساری رات تلاوت قرآن، اپنے رب سے راز و نیاز اور مناجات میں مصروف رہے۔ آپؑ کے خیام سے ذکر و تسبیح و تہلیل کی اس طرح صدائیں آ رہی تھیں جیسے شہد کے چھتے سے مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی صدا آتی ہے۔ یوم عاشورہ امامؑ نے حسینیوں کو پیغام دیا ہے کہ نماز کی اہمیت کو سمجھو! نماز کو کربلا جیسے جہاد کے دوران میں بھی موقوف نہیں کیا جا سکتا اور ہمیشہ نماز وقت مقررہ پر ہی پڑھی جائے۔ خواہ امن ہو یا جنگ ہو، بیماری ہو یا سفر ہو، گھر میں ہوں یا باہر ہوں۔ آج بھی عزاداری کے جلوسوں میں نماز قائم کر کے امام حسینؑ کی سنت کا احیاء کیا جانا چاہیے۔

۵۔ توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے:

حر بن زید ریاحیؒ جس نے امام حسینؑ کا محاصرہ کر کے آپؑ کو کربلا میں وارد ہونے پر مجبور کیا تھا عاشورہ کی صبح باطل سے کنارہ کشی اختیار کر کے حق سے پیوستہ ہو گیا۔ ایسے مجرم کو امام عالی مقامؑ نے معاف کر کے حر (آزاد) بنا دیا۔ کربلا ہمیں پیغام دے رہی ہے: آؤ! خدا کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی معافی مانگ لو لیکن اکثریت ابھی سوچ میں پڑی ہے اور اس شعر کی مصداق ہے:

میں حر ہوں اور ابھی لشکر یزید میں ہوں
مرا حسین ابھی کربلا نہیں پہنچا

۶۔ حریت اور آزادی:

کربلا تمام انسانوں کو حریت اور آزادی کا پیغام دیتی ہے۔ کربلا ظالموں سے ٹکرا جانے کا حوصلہ دیتی ہے۔ کربلا مکتب حریت ہے اور امام حسینؑ معلم آزادی و حریت ہیں۔ امامؑ نے کربلا کے میدان میں جب لشکر یزیدی کو اپنے خیام کی طرف بڑھتے دیکھا تو انھیں مخاطب کر کے فرمایا:

ان لم یکن لکم دین و کنتم لا تخافون المعاد فکونوا احرارا فی دنیا کم۔

اگر تمھارا کوئی دین نہیں اور تمھیں قیامت کا خوف بھی نہیں ہے تو کم از کم دنیا میں آزاد بن کر رہو۔ (بحار الانوار، ج ۴۵ ص ۵۱)

۷۔ خون کی شمشیر پر فتح:

مظلومیت کا اسلحہ موثر ترین اسلحہ ہے۔ مظلومیت انسانوں کے احساسات کو ابھارتی ہے اور واقعات کو زندہ بنا دیتی ہے۔ کربلا میں ایک جانب ایمان و شہادت کا اسلحہ تھا اور دوسری طرف بے دینی اور ظلم کی تلواریں۔ اگرچہ بظاہر امام حسینؑ شہید ہو گئے اور بظاہر فتح یزیدی فوج نے

حاصل کی لیکن بقول شاعر:

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد
ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا

امام سجادؑ سے ابراھیم بن طلحہ نے پوچھا: کربلا میں کس کی فتح ہوئی، کون کامیاب ہوا؟

امامؑ نے فرمایا: جب اذان ہو اور نماز کا وقت ہو تو پتہ چل جائے گا کہ کون غالب ہوا اور کس کی فتح ہوئی؟

جب تک مساجد میں اذانیں ہوتی رہیں گی، خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کی گواہی کے ساتھ کربلا کی کامیابی کی صدا آتی رہے گی۔

۸۔حقوق العباد:

کربلا اگرچہ میدان جنگ تھا لیکن وہاں بھی امام حسینؑ کی طرف سے لوگوں کے حقوق کا خیال رکھا گیا۔ دنیا والے کہتے ہیں: ''جنگ میں ہر چیز جائز ہوتی ہے۔'' لیکن نواسۂ رسولؐ، جگر گوشہ بتولؑ اور فرزند علیؑ نے دنیا کو اسلام کے سنہری اصولوں سے روشناس کروایا اور بتادیا کہ جنگ کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ امامؑ نے زمین کربلا کو ان کے مالکوں سے خریدا اور وقف کر دیا۔ کہتے ہیں کہ امامؑ کی طرف سے اعلان کیا گیا ہے کہ جو مقروض ہے وہ ہمارے ساتھ نہ رہے۔

۹۔نظم وضبط:

امام حسینؑ نے اپنے قیام کے تمام مراحل میں نہایت منظم طریقہ سے پیش قدمی کی، خواہ وہ بیعت سے انکار ہو یا مدینہ سے خروج، مکہ مکرمہ میں اقامت یا کوفہ اور بصرہ کی اہم شخصیات کو خطوط بھیجنا ہوں، یا پھر امامؑ کے خطبات جو مکہ میں، منیٰ میں، یا کربلا آتے ہوئے مختلف منازل پر دیے ہوں۔ جب ان پر غور کیا جاتا ہے تو ان میں امامؑ کی خاص حکمت علمی اور نظم وضبط دکھائی دیتا ہے۔ کربلا میں امامؑ کی فوج میں مختلف روایات کے مطابق ۷۲ افراد تھے، لیکن پھر بھی امامؑ نے اپنی مختصر فوج کو منظم کیا اور میمنہ ومیسرہ قرار دیا۔ حضرت ابوالفضل العباسؑ کو فوج کا علمدار مقرر کیا۔ کسی کو پیادوں کا سردار مقرر کیا اور کسی کو سواروں کا۔ نہایت منظم انداز میں خیموں کے پیچھے لکڑیاں ڈال کر آگ لگادی تاکہ دشمن پشت سے حملہ نہ کر سکے۔ دنیا کے بڑے بڑے جرنیلوں اور جنگ کا عملی تجربہ رکھنے والوں نے ہر مقام کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا لیکن انھیں کہیں امامؑ کی حکمت عملی اور جنگی اصولوں میں نقص نظر نہیں آیا۔ امامؑ کے ساتھیوں میں ایسا نظم وضبط ہے کہ جو بھی جنگ کے لیے جاتا ہے امامؑ سے باقاعدہ اجازت لے کر جاتا ہے۔ کربلا نے ہمیں نظم وضبط اور اطاعتِ امیر اور تقلید امامؑ کا اعلیٰ درس دیا ہے۔

۱۰۔اپنے فریضہ اور ذمہ داری کی ادائیگی:

جو چیز سب سے اہم ہوتی ہے وہ یہ کہ انسان اپنے فرائض پر عمل کرے، خواہ کامیابی نصیب ہو یا بظاہر شکست کھا جائے۔ درحقیقت کامیابی اپنی ذمہ داری اور فرض کے مطابق عمل کرنا ہی ہے، نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو۔ سیدالشہداءؑ نے کربلا کے سفر میں فرمایا:

واللہ انی لارجو ان یکون خیرا ما اراد اللہ بنا قتلنا ام ظفرنا۔

خدا کی قسم! مجھے تو اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید ہے خواہ ہم قتل کر دیے جائیں یا پھر غالب آ جائیں۔

کربلا نے ہمیں "ذمہ داری کی ادائیگی" کی ثقافت عطا فرمائی ہے۔

ہمیں اپنی ذمہ داری کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ نتائج خدا پر چھوڑ دینے چاہئیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے حضور بھی باز پرس ذمہ داری کی ادائیگی اور فرائض کو پورا کرنے کے بارے میں ہوگی، نہ کہ نتائج کے بارے میں۔

۱۱۔ اللہ کی رضا پر راضی رہنا:

عارف انسان کی اعلیٰ ترین صفت و کمال، اللہ کی رضا پر راضی رہنا ہے۔ وہ ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرتا ہے اور اس کے سامنے تسلیم محض ہوتا ہے۔ امام حسینؑ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں چاروں جانب سے دشمن کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے، اس موقع پر پروردگار سے مناجات کرتے ہوئے فرما رہے تھے:

صبرا علی قضائک یا رب۔

پروردگارا! میں تیرے قضا پر صابر و شاکر ہوں۔ (سخنان حسینؑ ابن علیؑ از مدینہ تا کربلا)

ماذا وجد من فقدک و ما الذی فقد من وجدک۔

(اے اللہ) جس نے تجھے کھویا اس نے کیا پایا اور جس نے تجھے پالیا اس نے کیا کھویا؟ (دعائے عرفہ)

قابل توجہ ہے کہ سید الشہداءؑ کی ریش مبارک جہاں خون شہادت سے رنگین ہے وہاں عشقِ الٰہی میں اشکوں سے بھی تر ہے۔ خون اور اشکوں سے بننے والے اس بحر بیکراں سے دنیا قیامت تک سیراب ہوتی رہے گی۔ ارشاد رب العزت ہے:

فَاذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ

تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا۔ (بقرہ۔ ۱۵۲)

امام حسینؑ نے سب کچھ اللہ کی بارگاہ میں پیش کر کے کربلا کی گرم ریت پر سجدے کی حالت میں اس کی تسبیح و تہلیل جاری رکھی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے وعدے کے مطابق حسینؑ کے ذکر کو ساری کائنات میں جاری کر دیا۔ اب یہ ذکر ہے کہ جو بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پیغامِ کربلا کو اس کے حقیقی معنی میں سمجھیں اور دوسروں کو سمجھائیں۔

خواتین کے لیے کربلا کا پیغام

ارشاد خداوندی ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

مومن مرد اور عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ (توبہ۔ ۷۱)

راہ حق و حقیقت میں کربلا کی فرض شناس خواتین نے امام عالی مقامؑ کی ہمشیرہ گرامی جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی قیادت میں ایمان و اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہوئے صبر و تحمل اور شجاعت و استقامت کے وہ جوہر پیش کیے ہیں جس کی مثال تاریخ اسلام بلکہ تاریخ بشریت میں بھی ملنا

ناممکن ہے۔ کربلا کی شہادت واسیری کے دوران میں خواتین نے اپنی وفاداری اور ایثار وقربانی کے ذریعہ اسلامی تحریک میں وہ رنگ بھرے ہیں کہ جن کی اہمیت کا اندازہ لگانا بھی دشوار ہے۔ باپ، بھائی، شوہر اور کلیجے کے ٹکڑوں کو اسلام وقرآن کی بقا کے لیے راہ خدا میں مرنے کی اجازت دے دینا اور زخم وخون سے رنگین جنازوں پر سجدہ شکر ادا کرنا آسان بات نہیں ہے۔ اسی چیز نے ضمیر فروش قاتلوں کو انسانیت کی نظروں میں ذلیل وخوار کردیا۔

ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے ضبطِ اشک نے مردہ دلوں کو بھی جھنجوڑ کے رکھ دیا۔ مگر وہ خود پورے وقار وجلال کے ساتھ قتل واسیری کی تمام منزلوں سے گزر گئیں اور شکوے کا ایک لفظ بھی زبان پر نہ آیا۔ نصرت اسلام کی راہ میں پہاڑ کے مانند ثابت قدم رہیں اور اپنے عزم وہمت کے تحت کوفہ وشام کے بازاروں اور درباروں میں حسینیت کی فتح کے پرچم لہرادیے۔

حضرت زینبؑ اوران کے ہم قدم وہم آواز جناب ام کلثوم، جناب رقیہؑ، جناب ربابؑ، جناب ام فروہؑ، جناب سکینہؑ، جناب فاطمہؑ اور جناب عاتکہؑ نیز امام عالی مقامؑ کے اصحاب وانصار کی صاحب ایثار خواتین نے شجاعت اور ایثار وقربانی کے وہ لازوال نقوش ثبت کیے ہیں جنھیں کسی بھی صورت مٹایا نہیں جاسکتا۔ چنانچہ عصر عاشورہ کو امام حسینؑ کی شہادت کے بعد، جب اہل حرم کے خیموں میں آگ لگادی گئی، بیبیوں کے سروں سے چادریں چھین لی گئیں، تو جلتے خیموں سے نکل کر مصیبت زدہ عورتیں اور بچے کربلا کی جلتی ریت پر بیٹھ گئے۔

اس دوران میں ان خواتین کی بلند ہمتی کی ایک جھلک جناب زینبؑ کے اس جملے میں مشاہدہ کی جاسکتی ہے جوانھوں نے کوفہ کے گورنر عبیداللہ ابن زیاد کے اس سوال کے جواب میں فرمایا جسمیں اس ملعون نے بی بیؑ سے کہا: دیکھا اللہ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

توجناب زینب کبریٰؑ نے فرمایا:

ما رایت الا جمیلا۔

ہم نے اپنے رب سے بھلائی ہی بھلائی دیکھی ہے۔

یزید کے دربار میں زینب علیہاؑ نے وہ تاریخی خطبہ دیا کہ یزیدیت کے ایوانوں میں لرزہ طاری ہوگیا۔ خواتین نے شہیدوں کے خون کو چھپنے نہیں دیا۔ شہیدوں کے پیغام کو قریہ قریہ گاؤں گاؤں اور شہر شہر پہنچادیا۔

کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے:

حدیث عشق دو باب است کربلا و دمشق

یکی حسین علیہ السلام رقم کرد و دیگری زینب علیہا السلام

آج کی مسلمان خواتین کو کربلا کی خواتین کی سیرت اپنانی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں امام مظلوم علیہ السلام کے مشن کو سمجھنے اور اسے آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

امام حسین علیہ السلام مولانا طارق جمیل کی نظر میں

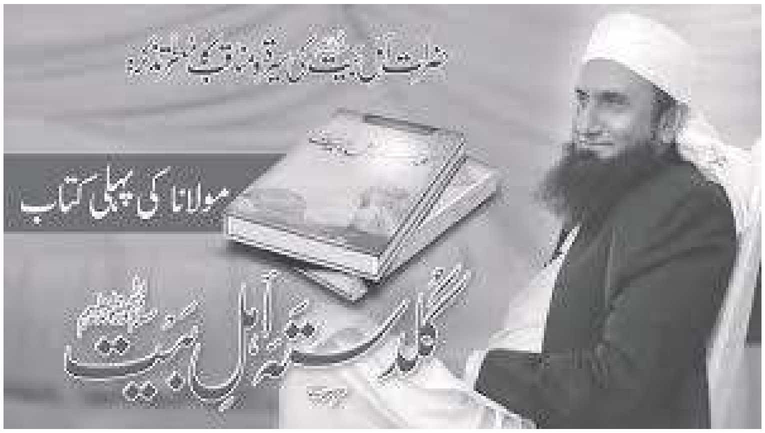

ثاقب اکبر

پاکستان کے انتہائی معروف خطیب اور مبلغ مولانا طارق جمیل اکثر و بیشتر اپنی تقریروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ ان کی عظمت و محبت کا بڑی رقت قلبی سے اظہار کرتے ہیں۔ وہ خاص طور پر پُرتاثیر لہجے میں امام حسین علیہ السلام کو یاد کرتے ہیں اور ان کی شہادت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ان کی نگرانی اور سرپرستی میں کچھ عرصہ پہلے ایک ضخیم کتاب بعنوان ''گلدستۂ اہلِ بیت سلام اللہ و رضوانہ علیہم'' شائع ہوئی ہے۔ اس میں انھوں نے اہل بیت رسالت کے فضائل اور تاریخ کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ چوتھے باب کی ایک فصل امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ کتاب کی اشاعت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے وہ قم طراز ہیں:

''خود میری ایک عرصہ سے تمنا تھی کہ حضرات اہل بیت کے مناقب اور سیرت کو تھوڑا تھوڑا بیان کیا جائے تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے خدام اور ان سے محبت کرنے والوں میں ہمیں اٹھالے اور ہماری بخشش کا سامان بن جائے۔''

''میری یہ تمنا اس وقت عزم مصمم میں بدل گئی جب میں ۲۰۰۶ء میں سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو مولانا ظفر احمد قاسم صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ میں اپنے تبلیغی دوستوں کے ساتھ ملنے گیا، اس وقت ان کے کمرے میں مرید بھی تھے، کمرہ بھرا ہوا تھا۔ شاہ صاحبؒ کچھ شوگر کی زیادتی کی وجہ سے صاحب فراش تھے۔ مجھے دیکھا تو بیٹھ گئے، بڑے پیار سے ملے، بٹھایا اور اکرام فرمایا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد مجھ سے فرمایا: آپ کو جو اہل بیت سے محبت ہے اور جس طرح آپ ہر بیان میں اہل بیت کا تذکرہ کرتے ہیں اس پر ہم آپ کو اپنی طرف سے بیعت کی اجازت دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے ساری محفل میں سناٹا چھا گیا تو میں نے عرض کیا: حضرت!

میں تو تصوف کی الف، ب بھی نہیں جانتا تو پھر فرمایا کہ آپ جو اہل بیت سے محبت کرتے ہیں اور جس طرح آپ نے اپنے بیانوں میں ان کے تذکروں کو زندہ کیا ہے اس پر ہم آپ کو چاروں سلاسل میں خلافت دیتے ہیں۔ فرمایا: بھائی! تم سب گواہ رہو کہ میں نے مولوی طارق جمیل صاحب کو چاروں سلسلوں میں خلافت دی ہے۔''

''اور فرمایا: آج کل میرے اوپر غلبہ ہے اہل بیت کی سیرت کو لوگوں کے سامنے لانے کا، بلکہ میں اس سے اگلی بات کرتا ہوں کہ میں مجبور ہوں اس کو سامنے لانے کے لیے اور اگر زیادہ واضح کروں تو میں مامور ہوں سیرت اہل بیت کو لوگوں کے سامنے لانے کے لیے کہ ناصبیت (حضرات اہل بیت کی حق تلفی) بہت بڑھ رہی ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ اہل بیت کی شان کو لوگوں کے سامنے بار بار بیان کیا جائے۔۔۔ یہ الفاظ تھے جو حضرت نے ارشاد فرمائے تھے۔'' (گلدستہ اہل بیتؓ: ص ۷و۸)

چوتھا باب ''ائمہ اہلبیت سلام اللہ و رضوانہ علیہم کی سیرت و مناقب'' کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے۔ باب کا تعارف ان الفاظ میں کروایا گیا ہے:

''اس باب میں امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کی سیرت ذکر کی جائے گی نیز ان حضرات حسنین کریمینؓ کی اولاد میں پیدا ہونے والے بعض مشہور ائمہ اہل بیت کی سیرت و مناقب کو ذکر کیا جائے گا کہ یہ حضرات ائمہ اہل بیتؓ اصحابِ فضل و کمال تھے اور علم و عرفان اور تقویٰ و ولایت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ ان سے خلق کثیر نے علمی و روحانی فائدہ حاصل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخِ تصوف کے اکثر سلسلے انہی ائمہ اہل بیت پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ (بحوالہ: التفسیر المظھری ۸/ ۳۲۰، و کذا ینظر فی ھذا المقام: آل رسول اللہ و اولیائوہ، ص: ۱۸۳ حیث قال صاحبہ فیہ، علماء اھل البیت أمة اھل السنة و لم تأتَمَّ الشیعةُ بامام ذی علم و زھد الا و اھل السنة یأتمُّون به) [اور اسی طرح اس مقام پر کتاب آل رسول اللہ و اولیاوہ میں ص ۱۸۳ میں یہی بات لکھی گئی ہے، نیز صاحب کتاب نے لکھا ہے کہ علمائے اہل بیت اہل سنت کے بھی امام ہیں اور شیعوں کے نزدیک جو صاحبان علم و زہد امامت کا درجہ رکھتے ہیں وہ اہل سنت کے نزدیک بھی امامت کا درجہ رکھتے ہیں۔ (ترجمہ: ث ا)] (گلدستہ اہل بیتؓ: ص ۱۸۳) چنانچہ ان کی سیرت کا تذکرہ جہاں باعث برکت ہے وہاں ان کی حیات طیبہ امت مسلمہ کے لیے مشعلِ راہ ہے، کہ ان کی مبارک زندگیوں میں ہمارے لیے کئی دروسِ حیات پوشیدہ ہیں جن کی روشنی میں ہم اپنی زندگی کے مختلف موڑوں پر راہنمائی لے سکتے ہیں۔'' (گلدستہ اہل بیتؓ: ص ۱۸۳)

اس باب کی فصل دوم حضرت امام حسن علیہ السلام کے بارے میں ہے جس کے آخر میں حضرت امام حسنؑ و حسینؑ کے مشترکہ فضائل و خصائص بیان کیے گئے ہیں۔ یہاں سے ہم چند عبارات اپنے قارئین کے لیے نقل کرتے ہیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَن أحبَّ الحسن والحُسین فقد أحبَّني، ومَن أبغضهما فقد أبغضني ''جس نے حسن و حسین سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔'' (گلدستہ اہل بیتؓ: ص ۲۱۳)

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا: آپ کے اہل بیت میں سے آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین سے۔ اور بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہؑ سے فرماتے: میرے دونوں بیٹوں کو بلاؤ۔ پھر آپ ان کو سونگھتے (جیسے آدمی پھول سونگھتا ہے) اور انھیں اپنے ساتھ چمٹا لیتے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الحَسَنُ وَ الحُسَینُ سَیِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الجَنَّةِ ''حسن وحسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔'' (بحوالہ: سنن الترمذی: ۵/ ۶۵۶)

(۴) حضرت اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ ایک رات کسی کام سے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور کسی چیز کو چادر میں چھپا رکھا تھا، مجھے نہیں پتا چل سکا کہ وہ کیا چیز ہے؟ جب میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو میں نے پوچھ ہی لیا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا چیز آپ نے چادر کے اندر لے رکھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کپڑا ہٹایا تو وہ حضرت حسنؑ وحسینؑ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: یہ میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ پھر فرمایا: اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُمَا ''اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور جو ان سے محبت کرے تو ان سے بھی محبت فرما۔'' (بحوالہ: سنن الترمذی ت شاکر: ۵/ ۶۵۷، ۶۵۶) (گلدستہ اہل بیتؑ: ص ۲۱۲ و ۲۱۳)

(۵) جب یہ آیت {إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً} نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین سلام اللہ ورضوانہ علیہم کو بلایا اور انھیں اپنی چادر کے نیچے کر لیا اور حضرت علی سلام اللہ ورضوانہ علیہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے کھڑے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بھی اپنی چادر کے نیچے کر لیا، پھر فرمایا: ''اے اللہ! یہ (بھی) میرے اہل بیت ہیں۔ [اصل عبارت یوں ہے: اَللّٰھُمَّ ھٰؤلاءِ اَھْلُبَیْتِیْ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے: یا اللہ یہ ہیں میرے اہل بیت (ث ا)] آپ ان سے گندگی کو دور رکھیے اور انھیں مکمل پاکیزگی عطا فرمائیے۔ (بحوالہ: سنن الترمذی ت شاکر: ۳۵۱/۳)

(۶) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں: جب یہ آیت {فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ} نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین سلام اللہ رضوانہ علیہم کو بلایا، پھر کہا: اللّھم ھولاء اھلی ''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔'' (بحوالہ: صحیح مسلم: ۱۸۷۱) (گلدستہ اہل بیتؑ: ص ۲۱۵)

اس باب کی فصل سوم حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ امام حسینؑ کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: آپ کا نام ''حسین'' خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا۔ آپؑ سے پہلے یہ کسی کا نام نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ''حسن'' اور ''حسین'' نام رکھنے تک یہ دونوں نام لوگوں سے پہلے مخفی رکھے۔ (بحوالہ: اسد الغابۃ ط العلمیۃ: ۲/ ۱۳)

آپؑ ''ریحانۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھول) (بحوالہ: اسد الغابۃ ط العلمیۃ: ۲/ ۲۴) اور ''سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' (نواسہ رسول) (بحوالہ: سیر اعلام النبلاء ط الرسالۃ: ۳/ ۲۸۰) کے معزز القابات سے مشہور ہیں۔

آپ اپنے بھائی حسن سے تقریباً ایک برس چھوٹے تھے آپ کی پیدائش ۵ شعبان المعظم سن ۴ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی۔[مشہور تاریخ ولادت ۳ شعبان المعظم ہے۔ث ا]۔(گلدستہ اہل بیتؑ:ص ۳۳۳)

حلیہ مبارک ان الفاظ میں درج کیا گیا ہے:

آپ کا درمیانہ قد تھا، نہ بہت لمبا اور نہ ہی بہت کوتاہ۔ پیشانی کشادہ، داڑھی گھنی اور سینہ مبارک فراخ تھا۔ دونوں کندھے اعتدال کے ساتھ بڑے اور ہڈیاں بڑی و مضبوط تھیں۔ ہتھیلیاں اور قدموں کے تلوے قدرے کشادہ تھے۔ بال گھنگھریالے اور بدن خوب گٹھا ہوا اور سرخی مائل سفید تھا۔ داڑھی مبارک پر''وسمہ'' کا خضاب لگاتے تھے [''وسمہ'' ایک بوٹی ہے جس کے پتوں سے بالوں کو سیاہ (یا بقول بعض سیاہی مائل) خضاب کیا جاتا ہے۔](بحوالہ:**عمدة القاری: ۱۶/۲۴۱، وکذا اختاره ابن حجر فی موضع من فتح الباری لابن حجر: ۷/۹۶، بینما ذهب فی موضع آخر منه: ۱/۲۰۵ الی انه نبت یخضب بورقه الشعر اسود کما سیاتی**)خضاب کیا جاتا ہے۔](گلدستہ اہل بیتؑ:ص ۳۳۴)

(بحوالہ:النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر:۵/۱۸۵، ولسان العرب:۱۲/۶۳۷، ومجمع بحار الانوار:۵/۵۴، وفتح الباری لابن حجر:۱/۲۰۵)

آپؓ خوبصورت بدن کے ساتھ ساتھ خوبصورت آواز کے بھی مالک تھے اور آپؓ کی آواز میں جہاں سوز و ترنم تھا وہاں گرج بھی تھی۔ آپؓ کی مبارک زلفیں، عمامہ کے نیچے سے ظاہر ہوتی تھیں۔(بحوالہ:المعجم للطبرانی ۳/۱۰۰ و سیر اعلام النبلاء ۳/۲۹۱)(گلدستہ اہل بیتؑ:ص ۳۳۵)

حضرت حسینؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

کبھی آپؓ کو، حضور ﷺ اور جبریل علیہ السلام کی ہم نشینی کا شرف حاصل ہو رہا ہے،(بحوالہ: سیر اعلام النبلاء ط الرسالۃ: ۳/۲۸۹ و اسنادہ حسن) کبھی آپؓ حضور ﷺ کی گود میں ہیں،(بحوالہ: مسند ابی یعلی الموصلی: ۹/۲۵۰) کبھی ان کے ساتھ منبر رسول پر بیٹھے ہیں،(بحوالہ: سنن ابی داؤد: ۱/۲۹۰، وسنن النسائی: ۳/۱۰۸) اور کبھی آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ کی گلیوں میں معصومانہ اداؤں میں مشغول ہیں۔(بحوالہ: سنن ابن ماجہ: ۱/۵۱) کبھی ان کو حضور ﷺ نے اپنے قدموں پر کھڑا کر رکھا ہے(بحوالہ: فضائل الصحابۃ لاحمد بن حنبل: ۲/۷۸۷) تو کبھی کندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔(بحوالہ: مسند احمد ط الرسالۃ: ۱۵/۴۲۰) کبھی وہ سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ ہیں(بحوالہ: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۹/۱۸۰) تو کبھی مسجد میں آپ ﷺ کے ہمراہ۔(بحوالہ: مسند احمد ط الرسالۃ: ۱۶/۳۸۶) کبھی آپ ﷺ ان پر دم کر رہے ہیں(بحوالہ: سنن ابی داؤد: ۴/۲۳۵، و مسند احمد: ۴/۲۰) تو کبھی ان کو بلوایا جا رہا ہے۔(بحوالہ: سنن الترمذی: ۵/۶۵۸، والمستدرک للحاکم: ۳/۱۹۶) کبھی ان کو اپنی چادر کے اندر لپیٹ رکھا ہے(بحوالہ: سنن الترمذی ت شاکر: ۵/۶۵۶) تو کبھی سینے سے چمٹایا ہوا ہے۔(بحوالہ: مسند احمد: ۲۹/۱۰۴، و مجمع الزوائد: ۹/۱۸۰) کبھی ان کو اپنے

ساتھ خچر پر بٹھا رکھا ہے (بحوالہ: صحیح مسلم: ۴/۱۸۸۳) کبھی خود اپنی پیٹھ پر سوار کر رکھا ہے۔ (بحوالہ: مجمع الزوائد: ۹/۱۸۲، ومسند ابی یعلی: ۹/۲۵۰) (گلدستہ اہل بیتؑ: ص۳۳۶ و ۳۳۷)

''حضرت حسینؓ خلفائے راشدین کے زمانہ میں'' کے عنوان سے لکھتے:

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں حضرت حسینؓ ابھی بچے تھے، مگر اس کے باوجود حضرت ابوبکرؓ ان کا بہت احترام و تعظیم کرتے تھے۔ (بحوالہ: البدایۃ والنھایۃ ط ہجر: ۱۱/۴۷۶)

وہ مزید لکھتے ہیں:

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ بھی آپ کی کم سنی کے باوجود آپؓ سے حد درجہ محبت اور آپؓ کا بہت احترام کرتے تھے۔ (بحوالہ: البدایۃ والنھایۃ ط ہجر: ۱۱/۴۷۶) (گلدستہ اہل بیتؑ: ص۳۳۸)

سانحہ کربلا کا پس منظر اور واقعات کتاب میں قدرے تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ کوفہ میں امام حسینؑ کے نمائندہ خصوصی حضرت مسلم بن عقیلؑ کی جواں مردی اور پھر مظلومانہ شہادت کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح سے مکہ مکرمہ سے قافلہ حسینی کی روانگی کے موقع پر پیش آنے والے بعض واقعات بھی سپردِ قلم کیے گئے ہیں۔ حضرت علیؑ کے بھتیجے اور داماد حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے بارے میں لکھا گیا ہے:

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو جب آپؓ کی روانگی کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے بیٹے کے ہاتھوں حضرت حسینؓ کو خط روانہ کیا جس میں ان کو مکہ واپسی کا مشورہ دیا۔ جب یہ خط حضرت حسینؓ کو پہنچایا گیا تو آپ نے اپنے اس عزم کوفہ کو اسی طرح برقرار رکھا اور اپنے اس عزم کی ایک اور وجہ بھی بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حکم دیا گیا ہے، میں اس حکم کی بجا آوری کی طرف جا رہا ہوں خواہ مجھ پر کچھ بھی گزر جائے۔ (گلدستہ اہل بیتؑ: ص۳۴۹)

کوفہ کے قریب پہنچ کر امام حسینؑ کا سامنا حر بن یزید ریاحی کے لشکر سے ہوا۔ اس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

حُر نے کہا: مجھے آپ سے جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ یہ حکم ہے کہ میں آپ سے اس وقت تک جدا نہ ہوں جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں۔ حُر مع اپنے لشکر کے، حضرت حسینؓ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اسی اثناء میں حضرت حسینؓ نے ایک اہم تقریر کی جو حضرت حسینؓ کے اس سفر کوفہ کی عرض واضح کرتی ہے، چنانچہ آپؓ نے حمد وثناء کے بعد فرمایا:

أَيُّهَا النّاسُ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ (صلى الله عليه وآله) قالَ: »مَنْ رَأى سُلْطاناً جائِراً مُسْتَحِلاًّ لِحُرُمِ اللهِ، ناكِثاً لِعَهْدِ اللهِ، مُخالِفاً لِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ، يَعْمَلُ فِي عِبادِ اللهِ بِالإِثْمِ وَالْعُدْوانِ فَلَمْ يُغَيِّرْ عَلَيْهِ بِفِعْلٍ، وَلا قَوْلٍ، كانَ حَقّاً عَلَى اللهِ أَنْ يُدْخِلَهُ مَدْخَلَهُ«. أَلا وَإِنَّ هؤُلاءِ قَدْ لَزِمُوا طاعَةَ الشَّيْطانِ، وَتَرَكُوا طاعَةَ الرَّحْمنِ، وَأَظْهَرُوا الْفَسادَ، وَعَطَّلُوا الْحُدُودَ وَاسْتَأْثَرُوا بِالْفَيْءِ، وَأَحَلُّوا حَرامَ اللهِ، وَحَرَّمُوا حَلالَهُ۔۔۔

اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ایسے ظالم بادشاہ کو دیکھے جو اللہ کے حرام کو حلال سمجھے اور اللہ کے عہد کو توڑ دے، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے، اللہ کے بندوں کے ساتھ گناہ اور ظلم وعدوان کا معاملہ کرے

اور یہ شخص اس بادشاہ کے ایسے افعال واعمال دیکھنے کے باوجود کسی قول یا فعل سے اس کی مخالفت نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اس کو بھی اس ظالم بادشاہ کے ساتھ اس کے ٹھکانے (یعنی دوزخ) میں پہنچادے۔

اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یزید اور اس کے امراء وحکام نے شیطان کی پیروی کو اختیار کر رکھا ہے، رحمن کی اطاعت کو چھوڑ رکھا ہے، زمین میں فساد پھیلا دیا ہے، حدود الٰہیہ کو معطل کر دیا ہے، اسلامی بیت المال کو اپنی ملکیت سمجھ لیا ہے اور اللہ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرا رکھا ہے۔۔۔(گلدستہ اہل بیتؑ: ص ۳۵۰)

معرکۂ کربلا کی تاریخ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ لشکر یزید کا سپہ سالار عمر بن سعد آپ سے مذاکرات کرتا رہا اور اس کی خبر کوفہ میں یزید کے گورنر عبیداللہ بن زیاد کو دیتا رہا لیکن بالآخر ابن زیاد نے شمر ابن ذی الجوشن کے ہاتھ عمر ابن سعد کے نام ایک مکتوب روانہ کیا۔ کتاب میں اس مکتوب کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''امابعد! میں نے تمھیں اس لیے نہیں بھیجا کہ تم جنگ سے بچو، یا ان کو مہلت دو، یا ان کی سفارش کرو۔ سنو! اگر حسین اور ان کے ساتھی میرے ہی حکم پر صلح کرنا اور میرے پاس حاضر ہونا چاہتے ہیں تو ان کو صحیح سالم یہاں پہنچا دو، ورنہ ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ان کو قتل کر دو۔ مُثلہ کرو (یعنی۔ نعوذ باللہ۔ ان کے ناک، کان، ہاتھ، پاؤں کاٹ دو) کیونکہ وہ اس کے مستحق ہیں اور پھر قتل کے بعد ان کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالو۔ اگر تم نے ہمارے اس حکم کی تعمیل کی تو تم کو ایک فرمانبردار کی طرح انعام ملے گا اور اگر اس کی تعمیل نہیں کرتے تو ہمارے لشکر کو فوراً چھوڑ دو اور چارج شمر کے سپرد کر دو۔ والسلام۔''(گلدستہ اہل بیتؑ: ص ۳۵۲)

امام حسینؑ لشکر یزید کے سامنے آئے اور بقول مصنف ''دشمن کی فوج کو مخاطب کر کے ایک دردانگیز اور دلوں کو ہلا دینے والی تقریر کی۔'' اس تقریر کا ایک اقتباس ان الفاظ میں درج کیا گیا ہے:

اے لوگو! تم میرا نسب دیکھو، میں کون ہوں؟ پھر اپنے دلوں میں نگاہ ڈالو: کیا تمھارے لیے جائز ہے کہ تم مجھے قتل کرو اور میری عزت پر ہاتھ ڈالو؟ کیا میں تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی سلام اللہ ورضوانہ علیہا کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا یہ مشہور حدیث تمھیں معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اور میرے بھائی حسنؑ کو جنت کے نوجوانوں کا سردار فرمایا ہے؟ (گلدستہ اہل بیتؑ: ص ۳۵۳ و ۳۵۴)

شہدائے کربلا میں سے مختلف شخصیات کا ذکر کرنے کے بعد امام حسینؑ کی شہادت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

اس کے بعد شمر دس آدمی ساتھ لے کر حضرت حسینؑ کی طرف بڑھا (کہ عمر بن سعد نے شمر کو لشکر کے بائیں حصے کا امیر مقرر کر رکھا تھا)۔ آپؑ کی جب اس پر نظر پڑی تو فرمایا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: كَأَنِّي أَنظُرُ إِلَى كَلبٍ أَبقَعَ يَلَغُ فِي دِمَاءِ أَهلِ بَيتِي ''گویا میں ایک دھبے دار جسم والے کتے کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ میرے اہل بیت کا خون پی رہا ہے۔'' (بدبخت شمر کو برص کی بیماری تھی جس سے جسم پر سفید دھبے بن جاتے ہیں)۔

حضرت حسینؓ شدید پیاس اور اپنے زخموں کے باوجود ان کا دلیرانہ مقابلہ کر رہے تھے اور جس طرف بڑھتے تو یہ لوگ ایسے بھاگتے نظر آتے تھے جیسے شیر کے سامنے بکریاں بھاگتی ہیں۔ اہل تاریخ نے کہا ہے کہ یہ ایک بے مثل واقعہ ہے کہ جس شخص کی اولاد اور اہل خانہ قتل کر دیے گئے ہوں، خود اس کو شدید زخم لگے ہوں اور وہ شدت پیاس کے باوجود پانی کے ایک ایک قطرے سے محروم ہو اور وہ اس حالت میں اس طرح ثابت قدمی سے مقابلہ کر رہا ہے کہ جس طرف رخ کرتا ہے مسلح سپاہی بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگنے لگتے ہیں۔

شمر نے جب یہ دیکھا کہ حضرت حسینؓ کو قتل کرنے سے ہر شخص بچنا چاہتا ہے تو آواز دی کہ سب مل کر اکٹھے حملہ کرو۔ اس پر بہت سے بدنصیب آگے بڑھے، نیزوں اور تلواروں سے ایک دم اکٹھے حملہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کے اس صاحبزادے اور اس وقت کی روئے زمین کی سب سے عظیم ہستی نے ظالموں کا دلیرانہ مقابلہ کرتے ہوئے حق کی خاطر جان دے دی اور شہید ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (گلدستہ اہل بیتؑ: ص ۳۵۵ و ۳۵۶)

امام حسینؓ کے فضائل کے حصے میں متعدد احادیث نقل کی گئی ہیں۔ چند ایک ملاحظہ کیجیے:

۱۔ حُسَیْنٌ مِنِّی وأنا مِنَ الحسین، أَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ أَحَبَّ حُسَیْنًا، حُسَیْنٌ سِبطٌ مِنَ الا سباطِ ”حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں (یعنی حسین کا مجھ سے گہرا تعلق ہے)۔ اللہ اس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرے۔ حسین (میرا خاص) نواسہ ہے۔ (بحوالہ: سنن ابن ماجہ: ۱/ ۵۱)

۲۔ جب عبید اللہ بن زیاد کے پاس حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک لایا گیا، تو وہ بدبخت آپؓ کے سر کو ایک ”طشت“ میں رکھ کر اسے چھڑی سے کریدنے لگا اور آپؓ کے حسن و جمال کے بارے میں کوئی نازیبا بات بھی کہی۔ مشہور صحابی حضرت انسؓ وہاں موجود تھے انھوں نے جرأت کر کے اس سے کہا: ”یہ تو حضور ﷺ کے بہت مشابہ تھے۔“ اس وقت حضرت امام حسینؓ کے بالوں میں ”وسمہ“ کا خضاب لگا ہوا تھا۔ (بحوالہ: صحیح البخاری: ۵/ ۲۶)

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ ۔۔۔ اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما۔ (بحوالہ: المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۳/ ۱۹۶)

۴۔ حضورؐ نے حضرت امام حسینؓ کے بارے میں فرمایا: مَنْ أَحَبَّ ھٰذَا فَقَدْ أَحَبَّنِی۔ جس نے اس سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ (بحوالہ: مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۹/ ۱۸۶) (گلدستہ اہل بیتؑ: ص ۳۶۹ و ۳۷۰)

نوٹ: اس حصے میں تمام عبارتیں جن میں قوسین کے اندر موجود عبارتیں بھی شامل ہیں اصل کتاب سے من و عن نقل کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ راقم کے مضمون کی عبارتیں واضح طور پر جدا موجود ہیں۔ حوالہ جات بھی کتاب ”گلدستۂ اہلِ بیت سلام اللہ و رضوانہ علیہم“ ہی سے درج کیے گئے ہیں۔

فلسفہ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام

مفتی محمد فاروق علوی برمنگم، برطانیہ

نواسہ رسولؐ، جگر گوشہ علیؑ و بتولؑ، سید الشہداءؑ، سرور کاروان حریت، مصداق ذبح عظیم اور محافظ قرآن و اسلام حضرت امام حسین علیہ السلام نے پیغمبر اسلام کی گود میں اور آغوش فاطمہؑ میں پرورش پائی۔ آپؑ بچپن ہی سے فضائل و کمالات کے مرکز شمار ہوتے تھے۔ سرور کائناتؐ نے خود آپؑ کا نام رکھا، مدینے کی گلیوں میں اپنے کندھوں پر بٹھایا، حالت سجدہ میں پشت پر سوار ہونے کے باعث آنحضورؐ نے سجدے کو طول دیا۔ صحابہ کرامؓ کے سامنے حسین کی عظمت کو واضح کیا اسی لئے وقتِ آخر امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں فوج اشقیاء سے کہا تھا کیا تم نے مجھے رسولؐ کے کندھوں پر نہیں دیکھا، کیا میں نے شریعت بدل دی یا میں نے دین بدل لیا۔ کیا میں تمہارے نبیؐ کا نواسہ نہیں ہوں؟۔ ۴ھ میں پیدا ہونے والے حسینؑ نے ۶۱ھ کو میدانِ کربلا میں اپنا تن من دھن قربان کر کے اسلام کو حیات جاویدانی بخش دی۔

بعض ناعاقبت اندیش مؤرخ اور کج فکر مفکر واقعہ کربلا کو شخصیتوں کی جنگ اور خاندانوں کے معرکے سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ یہ دو کرداروں کا معرکہ تھا۔ آپؑ نے روضہ رسولؐ پر حاضری سے کربلا کے سفر کا آغاز کیا اور محمدؒ ابن حنفیہ کے نام لکھے گئے وصیت نامے میں تحریر فرمایا ''نہ میں سرکشی اور جنگ وجدال کا ارادہ رکھتا ہوں اور نہ ہی میرا مقصد فساد پھیلانا ہے نہ کسی پر ظلم کرنا، میں تو نانا کی امت کی اصلاح کے لیے نکلا ہوں، میری غرض امر بالمعروف نہی عن المنکر اور اپنے جد اور بابا کی سیرت کی پیروی ہے'' آپؑ کا یہ جملہ فلسفہ شہادت عظمیٰ کی عکاسی کرتا ہے کہ خدایا! مجھے نیکی سے محبت اور برائی سے نفرت ہے۔

آپؑ نے گوشہ نشینی کی بجائے جہاد کو ترجیح دی آپؑ نے لشکر کشی نہیں کی ورنہ اپنے ساتھ عورتوں اور بچوں کو لے کر نہ جاتے۔ آپؑ نے اپنی ذات کے بجائے اسلام کو زندہ رکھا جس سے اسلام کے ساتھ ساتھ آپؑ بھی زندہ جاوید ہو گئے اگر کوئی کہے کہ امام حسینؑ اور شہدائے کربلا نے اپنے

ذی الحجہ/محرم الحرام ۱۴۴۳۔۱۴۴۴ھ

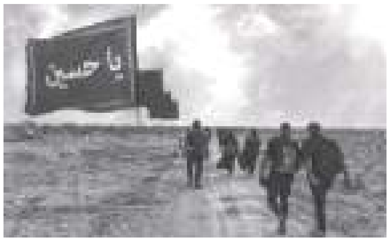

آپ کو ہلاکت میں ڈالا تو زمانہ رسولؐ کے تمام غزوے اور سریے موردِ اعتراض ہوں گے۔ قرآن وحدیث میں جہاد کا حکم ہے اور جہاد صرف شخصیتوں ہی کا نہیں بلکہ کردار سے بیزاری کے اعلان کا نام ہے۔ معرکہ بدر ابوجہل یا کسی دوسری شخصیت کے خلاف نہیں لڑا گیا بلکہ ایک نظریہ کے خلاف لڑا گیا تھا۔ یزید نے جو کچھ اپنے دور میں کیا وہ کچھ ابوجہل اور دیگر مشرکین نے بھی نہیں کیا، مشرکین نے کعبہ کو تعمیر کیا اور تعمیر میں حلال مال کی شرط رکھی، لیکن یزید نے کعبہ پر منجنیقیں فِٹ کروا کر سنگ باری کرائی، یزید کا کردار مشرکین مکہ سے زیادہ بدتر تھا، اور بدتر اس لیے بھی تھا کہ یزید نے یہ سب کچھ کلمہ پڑھ کر کیا، یزید نے خودساختہ خلافت کی زمامِ اقتدار سنبھالتے ہی مذہب فطرت کے الٰہی آئین کو ایسا پامال کیا کہ ارواح انبیاء علیہم السلام بھی لرز گئیں ہوں گی۔ وہ خود شراب کے نشہ میں مست رہتا اور لوگوں کو اس کی رغبت دلاتا تھا، بیت المال کو اپنی عیاشی اور اپنے اقرباء کی عیش وعشرت کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اس کے دربار کی زینت گانے والی عورتیں تھیں، مسجد نبویؐ کو اصطبل بنانا، خانہ کعبہ کو منجنیقوں سے چوٹ لگانا اس کے بھیانک جرائم میں شامل تھا۔ وہ شطرنج کو اسلامی کھیل کے طور پر متعارف کرا رہا تھا۔

وہ اپنے دربار میں بندر کو عالم دین کا لباس پہنا کر نچاتا اور لوگوں کے سامنے تذلیل علماء کا سامان کرتا، اسی بندر کے ہاتھوں خدا نے اسے دوزخ میں پہنچایا۔ اقتدار کے نشے میں مست یزید کے لیے حلال وحرام کی تمیز ختم ہوگئی تھی۔

امام مظلومؑ نے اسلام کی نصرت میں یزید کی بدکرداریوں پر صدائے احتجاج بلند کرنے کو منتخب کیا۔ نشہء ریاست میں سرمست یزید بوسہ گاہ رسولؐ میں بیعت کی زنجیر ڈالنے کے درپے تھا۔ آپؑ نے ثابت کردیا کہ یہ گردن کٹ تو سکتی ہے جھک نہیں سکتی۔ یزید نے اس ہاتھ سے بیعت مانگی جس کے پیچھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پنہاں تھی۔ میدان منیٰ میں ایثار ابراہیمیؑ کا عملی نمونہ وادی نینوا میں پیش کرکے ذبح عظیم کی تفسیر فراہم کی اگر امامؑ عالی مقام یہ قربانی نہ دیتے تو انبیاء کی محنت اکارت جاتی۔

قاتلان حسین نے سر مظلوم کو نوکِ نیزہ پر بلند کرکے اپنی شکست کا کھلا اعلان کردیا۔ دشمنانِ اسلام کی شکست تو دیکھیے کہ جس سر کو وہ جھکانا چاہتے تھے اسی سر کو خود اٹھا کر چلے۔

آپؑ کے ایثار واحتجاج کے بعد ہر تخت نشین کے لیے کردار کی تصدیق مشکل ہوگئی اور یہ آشکارا ہوگیا کہ لبادہ اسلام اوڑھ کر تخت پر بیٹھنے والا ہر شخص خلیفہ رسول نہیں ہوتا۔ بلکہ کبھی اس لباس میں یزید بھی نمودار ہوسکتا ہے۔ حاکم اسلامی کے لیے حسب ونسب کی بجائے عظمت کردار کی شرط قرار پاگئی امام حسینؑ نے جوارِ روضہ رسولؐ میں یہ جملہ کہہ کر کہ ''مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کرسکتا'' حق وباطل کا معیار قائم کردیا اگر شخصیتوں کا اختلاف ہوتا تو آپؑ ''مجھ جیسا'' نہ فرماتے۔ آپؑ نے 28 رجب ۶۰ھ میں اپنے نانا کے شہر کو ہمیشہ کے لئے ترک کیا۔ ۳ شعبان شب جمعہ کو ۶۰ھ واردِ حرم الٰہی ہوئے۔ آپؑ نے چار ماہ اور پانچ دن جوار خانہ کعبہ میں عبادت کے عالم میں گزارے۔ کوفہ کے مصلحت پسندوں نے امامؑ عالی مقام کو متعدد خطوط بھیجے کہ وہ کوفہ تشریف لائیں آپؑ نے اپنے سفیر حضرت مسلمؑ بن عقیل کو کوفہ بھیجا تاکہ وہ وہاں کے حالات سے خبر دیں جنہیں دو بچوں سمیت کوفہ میں بے دردی سے قتل کردیا گیا۔ یزید نے کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کو ہٹا کر بصرہ کے حاکم ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر حسینؑ کو ٹھکانے لگانے لے کے لیے بنایا تھا جو کوفہ میں بھیس بدل کر چوروں کی طرح داخل ہوا اور آتے ہی آغاز مسلم بن عقیل کے قتل سے کیا۔

۸ ذی الحج کو آپؑ مکہ سے عازم کربلا ہوئے۔ آپؑ کے ساتھ بوڑھے، جوان، بچے اور عورتیں بھی تھے۔ آپؑ کو مدینہ سے عبداللہؓ بن عباس، محمدؒ بن حنفیہ اور حرمِ رسولؐ حضرت ام سلمہؓ نے روکا تھا۔ جب کہ امامؑ نے یہ کہہ کر رختِ سفر باندھا کہ اسلام کے لئے ہر قربانی دوں گا۔ مکہ سے نکلتے ہی آپؑ کے چچازاد بھائی عبداللہؓ بن جعفرؓ طیار کا خط ملا جس میں عراق نہ جانے کا مشورہ تھا جسے آپؑ نے قبول نہ فرمایا امام حسینؑ کے اطمینان میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی۔ منزل حاجز سے آپ نے کوفے والوں کو خط تحریر فرمایا جس میں انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا گیا۔ قصر بنی مقاتل پر عبداللہ ابن حرجعفی ملے، جبکہ منزل اشراف پر آپؑ نے محرم کا چاند دیکھا اور یہیں پر لشکر حر سے ملاقات ہوئی اور حر سمیت لشکریوں نے امامؑ کے پیچھے نماز ادا کی۔ آپؑ نے حکم دیا کہ لشکر حر کو پانی پلایا جائے باقی ماندہ پانی ان کے گھوڑوں کو پلایا گیا۔ حر نے امامؑ سے کہا کہ ہمیں حکم ہے کہ آپؑ کو زندہ قید کر کے کوفہ لے جائیں۔ آپؑ نے اپنے جواب میں دنیا بھر کے انقلابی اذہان کو ایک خطِ فکر دیا اور فرمایا کہ؛ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں کوفہ میں خاموشی سے قتل کر دیا جاؤں۔

۲ محرم آپؑ وارد کربلا ہوئے۔

سات محرم ۶۱ھ کو سادات بنی ہاشم کے لیے فوج اشقیاء نے پانی بند کر دیا۔ عاشورہ کی شب امام حسینؑ نے اعداء کو ایک رات کی مہلت دی۔ امامؑ عالی مقام علیہ السلام آخری وقت تک جنگ سے کنارہ کشی فرماتے رہے مگر جب فوج اشقیاء نے ہدایت قبول کرنے سے صراحۃً انکار کر دیا تو پھر اپنا سب کچھ لٹانے کے لئے امامؑ اپنے انصار و اہل بیتؑ کو لے کر ایک میدان میں وارد ہوئے۔ حبیب ابن مظاہر، مسلمؓ بن عوسجہ، عابسؓ شاکری، بریرؓ ہمدانی، نافعؓ ابن ہلال، حر ریاحی جیسے اصحاب اور حضرت عباسؓ، علی اکبرؑ، عونؑ و محمدؑ اور قاسم جیسے قرابتداروں نے میدان جنگ میں وہ جوہر دکھائے کہ جس کی نظیر ناممکن ہے۔ آخر چھ ماہ کے علیؑ اصغر کو بھی قربان کر کے خود سر کو سجدے میں رکھ دیا۔

آپؑ نے فرمایا تھا ''اگر دین محمدیؐ کی بقاء میرے قتل کے سوا ممکن نہیں تو تلوارو آؤ مجھ پر ٹوٹ پڑو'' آپؑ کی قربانی سے ہر دور کے مظلوموں اور محروموں کو وقت کے جابر و ظالم سے ٹکرانے کا درس بھی ملا اور ضرورت پڑنے پر اسلام کے لیے سب کچھ قربان کرنے کی تلقین بھی ہوئی۔ حضرت امام علیؑ کے سجدے کی تکمیل آپؑ نے کی جب کہ خطبے کی تکمیل آپؑ کی ہمشیرہ جناب زینبؑ نے کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں میں کی۔ امام علی کا جو سجدہؑ باقی تھا اسے حسینؑ نے ادا کر کے اپنے بابا کی نماز مکمل کر دی۔

ایثار شبیری سے اسلام ہمیشہ کے لئے بقا پا گیا اور فرعون و ہامان قارون نمرود شداد یزید جیسی قوتیں ہمیشہ کے لیے شکست کھا گئیں۔

پیدا ہر ایک دور میں ہوتے رہے یزید۔ لیکن کسی حسینؑ کی گردن میں خم نہیں

امامؑ کے صاحبزادے حضرت امام زین العابدینؑ نے بیماری کے باوجود خطبے دے کر کوفہ و شام کے لوگوں کو یزید کے خلاف عملی جہاد تک آمادہ کر لیا۔ جب یزید نے دربار میں سید زین العابدینؑ سے پوچھا: اس جنگ میں کون جیتا؟ تو آپؑ نے فرمایا کہ جس کے نانا کا نام قیامت تک اذان میں شامل رہے گا۔ جب یزید نے تفاخر کرنا چاہا اور اہل بیتؑ کی تذلیل کرنے کے لیے زبان دراز کی تو سیدہ زینبؑ نے اس جملے سے اس کا دندان شکن جواب دیا ''یزید! اگر آج رسولؐ زندہ ہو کر آ جائیں تو بتا وہ تیرا ساتھ دیں گے یا ہمارا ساتھ دیں گے'' دربار میں موجود عیسائیوں تک

نے یزید کو شرمندہ کر دیا۔

پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ حسنؑ اور حسینؑ جوانانِ بہشت کے سردار ہیں۔ نیز فرمایا حسینؑ ہدایت کا چراغ اور نجات کا سفینہ ہیں۔ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔

حسینؑ کا دوست میرا دوست اور حسینؑ کا دشمن میرا دشمن ہے۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین سب امام حسینؑ سے محبت رکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ جب امام حسینؑ کو دیکھتے تو ان کی آنکھوں سے آنسو آ جاتے۔ شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر گھوڑا دوڑاتے اور بھوکے پیاسے شام تک گئے تھے اور انہوں نے یزید سے کہا تھا کہ جو ظلم تم نے کیا یہ تو رومی ترک بھی نہ کرتے تھے۔ مگر یزید نے انہیں خاموش کرا دیا۔

شاعر مشرق نے فرمایا:

غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتداء ہے اسماعیلؑ

رمز قرآن از حسین علیہ السلام آموختیم
ز آتش اوشعلہ ھا اندوختیم

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؑ
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ گیری

جس طرح مجھ کو شہیدِ کربلا سے پیار ہے حق تعالیٰ کو یتیموں کی دعا سے پیار ہے۔

خدا سب مسلمانوں کو امام حسین علیہ السلام اور ان کے باوفا اصحاب کے راستے پر چلنے کی توفیق دے اور کردارِ حسینی سے محبت اور کردار یزیدی سے نفرت کا جذبہ عطا کرے۔ خدایا! قیامت کو ہمارا حشر امام حسین اور ان کے نانا کے ساتھ فرما، اور حسین کے نانا کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ یزید کے حامیوں کا حشر یزید اور اس کے نانا کے ساتھ فرما۔

مرثیہ تاریخ سے تجربہ کی طرف

مولانا سید مرتضےٰ حسین الفاضل

نفسیات کا یہ عجیب تجربہ ہے کہ انسان غم سے بہت جلد متاثر ہوتا ہے، غم انگیز واقعات اسے دیر تک یاد رہتے ہیں، احساسات میں شدت آجاتی ہے اور فکر و نظر پر انفعالیت طاری ہوتی ہے۔ اس کے باوجود وہ المیہ کو یاد رکھتا ہے۔ گذشتہ درد و رنج کا تذکرہ کرتا ہے۔ آدمی کا دل چاہتا ہے کہ اپنا المیہ بیان کرے سب سنیں اور وہ اس سے وہی اثر لیں جو اس پر ہوا ہے۔ اجتماعی زندگی میں پاس پڑوس کے غم میں جس حد تک شریک ہوتے ہیں، بن بلائے جس جذبے سے جاتے ہیں، شادی میں اس طرح شرکت نہیں کی جاتی، یہ تاریخ انسان کا بہت پرانا اور مسلسل مشاہدہ رہا ہے۔

دنیا کی بہترین ادبی تخلیق، انسان کے لازوال جذبات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اسی بنا پر بیشتر کلاسیکی ادب، رزمیہ و المیہ واقعات سے مرکب ہے۔ اردو ادب میں بھی یہی کلیہ کام آتا ہے، اردو ادب میں سب سے پہلی نثری ادب کی مثال ''کربلا کتھا'' ہے۔ جو سترھویں صدی عیسوی میں لکھی گئی۔ نام ہی سے اس کا موضوع و مواد سمجھ میں آجاتا ہے۔ یعنی مسلمانوں کے اہم ترین محبوب حضرت رسول مقبول ﷺ کے نواسے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعات، برصغیر میں واقعہ کربلا کی یاد اور اس المیہ کا تذکرہ خواص و عوام کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ مقامی بولیوں میں دوہے، سلام: مرثیے اور مثنویوں کا دفتر ہے جو گھر گھر پڑھا جاتا تھا اور آج بھی نظم، نوحے اور دوہڑے کی صورت میں قبول عام کی سند لیے ہوئے موجود ہے۔ درد کی شدت میں چھوٹے چھوٹے جملے اور ہلکے پھلکے شعر پڑھنا انسان کی فطرت ہے۔ یہی ہلکے پھلکے سادہ اشعار درد انگیز اور رقت خیز ہوں تو اسے مرثیے کہتے ہیں۔

اردو میں جب سے شاعری نے پر و بال سنبھالے، ہمارے شاعروں نے جب سے دیوان مرتب کرنا شروع کیے اس وقت سے مرثیے کے نمونے دستیاب ہونے لگتے ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ اور ولی دکنی کے دیوان و کلیات سے بہادر شاہ ظفر و غالب تک مرثیے ہی مرثیے ہیں۔

مرثیے کا موضوع کربلا کے خونیں واقعات ہیں۔ شاعروں نے ابتداء میں غزل کے انداز میں شہداء کے حضور میں عقیدت کے آنسو پیش کیے ہیں۔ ان مرثیوں کے ہر شعر کا عموماً دوسرے شعر سے رابطہ نہ ہوتا تھا۔

زبان و بیان کی ترقی کے ساتھ ساتھ شاعروں کا انداز بھی بدلتا گیا، پہلے مرثیے کو نوحہ اور دوہڑا چو بولا اور قطعہ کا ڈھانچہ ملتا تھا۔ پھر مثنوی اور نظم مسلسل ترجیع بند اور مخمس کا پیرایہ ملا اور صرف مرثیہ گو شاعروں نے ادبی شگفتگی اور فنی لطافتیں پیدا کرنے کی خاص کوشش کی۔ ان لوگوں میں کاظم علی کاظم کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے۔

اب فارسی ترکیبیں، فارسی استعارے، واقعہ نگاری اور روایات کے ترجمے بھی مرثیے میں داخل ہو گئے۔ ایک بڑی بات یہ بھی رونما ہوئی کہ مرثیہ کو دو طرح پڑھا جانے لگا۔ ایک لحن و موسیقی کے ساتھ دوسرے سادہ اور تحت اللفظ میں۔ چونکہ رئیسوں میں غزل لَے اور موسیقی سے پڑھی جاتی اور مذہبی تہواروں کے موقعے پر نعت کو قوالی کا رنگ دیا جاتا تھا۔ محرم میں قوالی کے بدلے نوحہ یا مرثیہ اور بعد میں سلام پیش کیے جانے لگے،

فرق یہ تھا کہ غزل اور نعت میں لے، سُر کے ساتھ ساز و آلات موسیقی بھی ہوتے تھے اور محرم میں وہی گویے اور سازندے ساز و آلات چھوڑ کر اسٹیج پر بیٹھتے تھے، مذہبی حلقوں میں اسے ناپسند کیا گیا تو ایک گروہ سامنے آیا اور اس نے سادہ لہجے میں مرثیہ شروع کیا اُسے تحت اللفظ کا نام دیا گیا۔

سوز و ساز میں چونکہ زبان و بیان سے زیادہ صوت وصدا کا عمل ہوتا تھا۔ اس لیے مرثیہ کا وہ سرمایہ چست نہ تھا اور سودا نے اسی ذخیرہ کو دیکھ کر کہا تھا ''بگڑا شاعر مرثیہ گو۔'' لیکن جب مرثیہ ثقہ ماحول میں آیا اور علم وفن کی سطح پر پیش کیا گیا تو اس میں تیور پیدا ہوا، اس میں تقدس پیدا ہوا۔ اس نئے ماحول میں طولِ بیان کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اب اٹھارویں صدی ہجری کا آغاز تھا۔ اردو نے اظہار وابلاغ کی قوت پیدا کرلی تھی، اس زمانے میں بہت سے مرثیہ گو پیدا ہوئے جس میں مرزا ابوالقاسم نے گول کنڈہ میں خاص شہرت پائی۔

دکن کی حکومت اور نظام کے خاندان نے اردو کی سرپرستی کی اور ان کا عہد حکومت نادر شاہ کے حملے سے تقسیم ملک تک باقی رہا اس لیے دکن کے علاقوں میں، مسلمانوں کے علمی کارناموں کو مسلسل تاریخ ملی، اسی ذیل میں مرثیہ کا تاریخی تسلسل بھی محفوظ رکھا گیا، شمالی اور جنوبی علاقوں میں، انقلابات نے تاریخ کی زنجیر توڑ دی لہٰذا، دہلی، آگرہ، لاہور، ملتان، ٹھٹھہ اور متعدد دوسرے علاقوں کے تمام ادبی ذخیرے گم نامی کی زد میں آگئے اور ابھی تک بے توجہی کا شکار ہیں۔

شمالی ہند میں نادر شاہ کے بعد اودھ کی حکومت نے خود مختاری حاصل کی اور اس کے اثر سے علم وادب کو نئی توانائی ملی، اودھ کے حکمرانوں نے شعراء کی مدد کی اور شعر وشاعری نے نئی خلعت پائی، دہلی چونکہ لکھنو سے قریب اور اس کے ادبی روابط مضبوط تھے لہٰذا، دہلی میں جو شاعری مقبول تھی وہی ہجرت کر کے لکھنو پہنچی، سودا، میر، سوز، مصحفی جیسے شاعر تو لکھنو ہی کے ہو رہے۔ یہ لوگ غزل کے استاد تھے اور اس وقت غزل اپنے شباب پر تھی۔ گھر گھر مشاعرے تھے اور بازار بازار اس کا چرچا، محرم میں چونکہ تہذیبی اقدار بدل جاتی تھیں اور مشاعروں کے بجائے شہادت ناموں اور ذکر کربلا کی مجلسیں ہونے لگتی تھیں۔ لہٰذا خطیبوں کے ساتھ ساتھ شاعر بھی مجمعوں میں آتے تھے۔ وہی معیاری شاعر، مثنوی، اور قصیدہ وغزل کے بجائے مرثیہ لکھنے پر مجبور ہوئے، لکھنو کی نفاست اور لطافت، وہاں کے امیرانہ ٹھاٹھ باٹ، زندگی کی آسودگی وخوشحالی نے زبان کو شیریں، استعارہ، کنایہ اور بھاری بھرکم بنا دیا تھا۔ شاعر اسی فضا میں فکر ونظر کے پابند تھے۔ ان شاعروں نے جو مرثیے لکھے تو نیا رنگ ابھرا۔ میر تقی میر، سودا، جرات، حسرت چونکہ پرانے بزرگ تھے لہٰذا ان کے یہاں کچھ پرانی جھلک رہی کچھ نیا رنگ ابھرا۔

میر محمد مہدی مسکین دہلوی جو صرف مرثیہ لکھتے تھے۔ مرزا سودا نے ان پر سخت تنقید کی مگر مسکین کی شہرت کو نقصان نہ پہنچا سکے۔

مسکین کے مقابلے میں خلیفہ محمد علی سکندر پنجابی دہلوی ابھرے۔ معاصر مؤرخین کے نزدیک سکندر، بہت بڑے مرثیہ گو تھے۔ ان کا مرثیہ ''ہے روایت شتر اسوار کسی کا تھا رسول'' ہمارے بچپنے تک مجلسوں اور جلوسوں میں پڑھا جاتا تھا۔ سکندر نے مربع، مخمس، مسدس، دوہرہ بند، مستزاد اور مسلسل مرثیے لکھے۔ شمالی ہند کے دیہاتوں میں اب بھی کہیں کہیں لوگ پڑھتے ہیں۔ تنقید نگاروں کے خیال میں مسدس کے بیت چوتھے مصرع سے نکالنے کی طرح سکندر نے ڈالی ہے۔ بہرحال، سودا، رند، میر گھاسی، مسکین، سکندر کا قافلہ، شعر لکھنو پہنچ کر نئے اصول مرثیہ کی ترتیب وتدوین کی طرف بڑھا۔ اب مرثیہ کا آغاز ''چہرہ'' اور پھر ''رِیز'' اور ''بین'' تین مرحلوں میں داخل ہوا، میر تقی میر اور مرزا رفیع سودا کے شاگردوں کے رجحانات اور ان دونوں دبستانوں کی ادبی روایات فکر وفن کی فضا میں پھیلتی رہیں۔ آتش اور ناسخ نے دونوں مکتبوں کو مزید کمک پہنچائی اور مرثیہ میں تکنیکی عمل و تجربہ نے مسدس کی ہیئت متعین کردی۔ مصحفی کے دو شاگردوں نے اسی ہیئت کو اپنایا اور ضمیرؔ و خلیقؔ فن مرثیہ گوئی کے آفتاب وماہتاب بن کر چمکے۔

ضمیر نے دو مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ ایک کا نام ''مظہر العجائب'' اور دوسری کا ''ریحان معراج'' ان مثنویوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمیر کے

ذہن میں نوحہ وسلام کی تکنیک سے بڑا خاکہ بھی تھا۔ان کے اس تجربے سے مرثیے میں چہرہ، سراپا، رزم اور بزم کی بعض جدتوں نے راہ پائی۔

ضمیر کی شعری لطافتوں کو ان کے شاگرد مرزا سلامت علی دبیر نے اپنایا اور اسے اپنی قابلیت سے چار چاند لگائے، مرزا دبیر نے مرثیہ کو خاص علمی تحفہ بنا دیا، عربی، فارسی ترکیبیں، تشبیہ، استعارہ اور دوسری ادبی خوبیاں ان کے مرثیوں میں اس طرح نظر آتی ہیں جیسے سونے پر جڑ اؤ ہوئے نگینے، یہ مرثیے اردو نظم میں پڑھنے پڑھانے کے قابل ہیں اور اس کا مطالعہ کیے بغیر اعلیٰ اردو ادب کا معیار سمجھ میں نہیں آسکتا۔مرزا دبیر کی وفات کو سو سال ہو چکے ہیں۔اس لیے ارباب ادب کو دبیر کے شعر و ادب امطالعہ کر کے اس پر غور وفکر چاہیے۔

مرثیہ کی دوسری روایت خلیق سے انیس تک پہنچی، خلیق واقعات اور روایات نظم کرنے میں ماہر اور اپنے پیش رو مرثیہ گویوں کے متبع ہیں۔ خلیق کی زبان میں چاشنی، بیان میں درد کلام میں اثر ہے۔ان کے بیٹے انیس کے مدتوں اسی رنگ میں مرثیے لکھے، لیکن انیس کی جوانی اور ماحول میں نئے رجحانات کا دباؤ، حریف کی شہرت اور پھر ۱۸۵۷ء کے واقعات نے اثر کیا وہ معاشرے کی گرتی ہوئی حالت پر فکر مند ہوئے اور مرثیہ کو ایک نئے طرز پر لائے۔میر انیس نے مرثیہ کے چہرے یعنی آغاز میں فکر انگیز باتوں کا اضافہ کیا، بہار، خزاں، صبح و شام اپنا تعارف، فن کا تعارف، رزم کی تفصیل، بزم کا نقشہ، حریفوں کا معرکہ، مکالمہ، محاکات، منظر نگاری، جذبات کی ترجمانی، بچوں کی نفسیات، جوانوں کی امنگ، بوڑھوں کا آہنگ، دوستوں کی وفا، دشمنوں کی دغا، موت کا استقبال، زندگی کا نکھار، شہادت کا شوق، ایمان سے عشق، آزادی، گرفتاری، وطن، قید و بند، بین، اخلاق کی تعلیم، بہادری کی تلقین، پامردی کا سبق، جواں مردی کا درس، حق پر جان دینے اور اسلام کو بچا لینے کا پیغام ہے، انیس نے مرثیہ کو بدلتی قدروں میں کچھ اس طرح ڈھال دیا کہ اس وقت کے معاشرے نے اسے قبول کے ہاتھوں پر لیا اور پسند کی آنکھوں پر رکھا، انیس نے فکر جدید کو بدلتی قدروں میں سنبھالا اور اخلاقی قدروں کو اجاگر کیا، گرتی تہذیب کو اسلامی تہذیب کا سہارا دے کر ابھارا، اسی بنا پر وہ پوری ایک صدی تک فکر و نظر کی ترازو پر زنی ثابت ہوئے۔ان کے مرثیے ہر زاویہ نظر سے دیکھے گئے اور ہر مکتبۂ فکر کے دانشوروں میں مقبول رہے۔انیس نے مرثیہ کو ایسے نقطۂ عروج پر پہنچا دیا سو برس تک لوگ اس تک نہ پہنچ سکے۔اس کی ہیئت میں جو قوت و تازگی تھی اسے صدی کے پھیر کہنہ نہ کر سکے، بلکہ حالی، اسماعیل، نظم طباطبائی، شبلی، چکبست اور آخر میں اقبال نے مرثیہ کے رنگ و آہنگ میں فلسفے کا پیوند لگا کر فکری انقلاب کو آگے بڑھایا۔

بیسوی صدی نئے ذہن لے کر آئی، نئے تصورات، نئے حقائق، نئے علوم، نیا ادب اور نئی شاعری، نئی نسل کی تربیتی اداروں نے کچھ اس طرح پرورش کی کہ انھیں اپنی روایات سے نفرت ہو گئی، وہ بغاوت پر تیار ہو گئے، انھیں اپنا روایتی پردا برا اور انگریز کا روایتی عریاں انداز پسند آ گیا۔انھیں اپنی روایتی غزل ناپسند اور انگریزی کی روایتی شاعری محبوب نظر آنے لگی۔حالات نے پلٹا کھایا اور نعروں نے جنم لیا، ایک نعرہ سنا گیا ''ادب برائے ادب'' یا ''ادب برائے زندگی'' یہ نعرہ فلسفہ بنا اور اس کی تعبیر گونگے کے خواب کی طرح پیچیدہ ہونے کے باوجود موضوع بحث بنی رہی اور محمد حسین آزاد سے جوش ملیح آبادی تک نیچر، زندگی، پیام اور فلسفے کی پیش کش ہوتی رہی۔انسان وانسانیت، فکر ونظر موضوع اور تلاش حق مبعث بنا رہا، حالی سے اقبال تک۔نئی شاعری کے لیے جو ڈھانچہ سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوا وہ مرثیہ کا ڈھانچہ یعنی مسدس تھا۔ہماری نئی شاعری کے بیشتر زندہ نمونے مسدس کی شکل میں موجود ہیں۔ان کی زبان با اختلاف زمان و مکان انیس سے مستعار ہے۔اس صدی میں بڑے فکری منظومات کے لیے ہیئت مرثیہ کی مقبولیت کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ہم اس کو مرثیہ کی ایک فتح سمجھتے ہیں ابتدائی ربع تک یعنی ۱۹۲۵ء تک انیس و دبیر کا معین کردہ اصول حرف آخر رہا، لیکن دبے پاؤں اس میں ساقی نامہ داخل کر ہی دیا گیا۔اس کے بعد لوگ مواد کی تبدیلی اور ہیئت کی تراش کی تدبیریں سوچنے لگے۔آخر کچھ جوانوں

نے پرانے بزرگوں سے ذرا ہٹ کر طبع آزمائی کی اور جب یہی جوان بڑھاپے میں داخل ہونے لگے تو ذرا جم کر کھڑے ہوئے اور نئے مرثیے کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا اور مرثیہ میں ایک خاص مزاج کے نگہداشت کے ساتھ نئے افکار داخل ہو گئے اور آج ہم یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ ہمارے موجودہ شاعروں نے مرثیہ کو قدیم مرثیہ سے نمایاں طور پر الگ کر دیا ہے اور اب نئی صدی کا یہ نیا مرثیہ ایک روایت کی پختگی تک پہنچ گیا ہے۔

آل رضا اور جوش نئے مرثیے کے بڑے نقیب ہیں۔ جناب نجم اور نسیم اس مرثیے کے سربراہ ہیں ان میں باختلاف ذوق ورجحان کچھ ایسی باتیں ضرور مشترک ہیں جو انھیں قدیمیت سے جدیت کی طرف لاتی ہیں۔ شاہد نقوی اسی جدیدیت کے علمبردار ہیں۔

۱۔ نقطۂ تکمیل کی جانب رواں ہے زندگی	۲۔ ذہنوں میں گونجتی ہے صدا انقلاب کی
۳۔ آبادیوں کے شہر میں تنہا ہے آدمی	۴۔ دشت منیٰ میں دھوپ کی شدت ہے آج کل
۵۔ ہو جاتی ہے طے منزل تسلیم و رضا بھی	

یہ مطلع اپنی اٹھان، فکر کی اڑان اور مرثیوں کے آہنگ کی خبر دے رہے ہیں۔ نئے ذہن ان آوازوں کو سننے کے لیے تیار ہیں اور نئے دماغ یہ باتیں سمجھنے کے لیے آمادہ ہیں اور جب شاعر کہتا ہے:

ہر نفس، ہر آدمی سے پوچھتی ہے زندگی — اتفاقاً ہی تجھے کیا مل گئی ہے زندگی
چند سانسوں کا تسلسل، کیا یہی ہے زندگی — یا کوئی مخصوص منزل ڈھونڈتی ہے زندگی
جس کی نگاہ وقت کی رفتار چھین لے — باغی نظر سے جرأتِ پیکار چھین لے
منکر کے لب سے قوتِ انکار چھین لے — دستِ اجل مروڑ کے تلوار چھین لے
گردش زمین کی روک دے جو اک نگاہ سے — چاہے تو آفتاب پلٹ آئے راہ سے

آج کا انسان جس لہجے میں بات کرنے کا عادی ہے اور آج کا جوان جس انداز سے سوچتا ہے۔ شاہد نقوی اسی آہنگ، اسی ڈھنگ اور اسی تیور سے بات کرتے ہیں، وہ غزل کے منجھے ہوئے شاعر، نظم پر قدرت رکھنے والے استاد ہیں۔ انھوں نے فنی پختگی کے بعد مرثیہ لکھنا شروع کیا اور نشیب و فراز سے باخبر اور مرثیے کے آہنگ و رنگ کے مزاج سے واقف ہونے کی حیثیت سے مستند ہیں۔ ان کا مرثیہ خطابت و شعر، فکر و تعلیم، استدلال و استنتاج سے مرکب ہے۔ اس میں استدلال کی منطق اور فلسفے کی خشکی نام کو نہیں ملتے، مگر دونوں باتیں شعری خمیر، شاعرانہ لطافت اور تڑپا دینے والی تعبیروں سے مرکب ہو کر دل میں اتر جاتی ہیں اور کربلا کو زندگی، یا زندگی کو کربلا سے وابستہ کر دیتی ہیں۔ آج کے مرثیے کا یہی مقصد ہے۔

ہو جاتی ہے طے منزلِ تسلیم و رضا بھی — انسان کے دل میں ہو اگر خوف خدا بھی
بندے کا ارادہ بھی ہو مالک کی رضا بھی — یثرب سے بہت دور نہیں کرب و بلا بھی
کیا اب بھی ہے شک عزم کی قوت میں کسی کو — دیکھا نہیں دنیا نے حسین ابن علی کو

۱۸ مارچ ۱۹۷۵ء

نوٹ: (یہ تحریر علامہ مرتضیٰ حسین صدر الافاضل مرحوم کا مقدمہ ہے جو آپ نے سید شاہد حسین نقوی (کراچی) کی کتاب ''نفس مطمئن'' میں تحریر کیا ہے جسے اظہار سنز، اردو بازار لاہور نے دسمبر ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔)

کربلائی جوان کی خوبیاں

ڈاکٹر سید علی عباس نقوی

کربلا ایک ایسی کتاب ہے جو عشق، وفا، فداکاری، ہدایت، روحانیت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، حق دوستی، بیزاری از باطل اور کمال جیسے دیگر باعظمت دروس پر مشتمل ہے۔ اس کے دروس ویسے تو ہر عمر کے افراد کے لیے ہیں تاہم اس کا نمایاں ترین باب جوانوں کو جذب کرتا ہے۔ آپ سب کے نزدیک جوانی کیا ہے؟ ہم اسے اس مثال سے سمجھ سکتے ہیں کہ جس طرح درختوں کی شاخیں اور ٹہنیاں موسم بہار میں نکھرتی ہیں اسی طرح انسان کی روح جوانی میں نکھرتی ہے، جسطرح درخت بہار کے موسم میں ہرے بھرے ہو جاتے ہیں، اسی طرح جوانی بھی روحی اور معنوی صلاحیتوں کو بارآور کرنے کا وقت ہے، یہ ایسی صلاحیتیں ہیں کہ اگر بارآور ہو جائیں تو ان کا نتیجہ معاشرے کی ترقی وکمال میں بنیاد رکھتا ہے، اس کے دوش پہ باکمال معاشرے کی عمارت قائم کی جاتی ہے۔ آج ہم اسی اساس کو مضوط کرنے کے درپے ہیں تاکہ آج کے مفسد معاشرے میں منتشر جوانوں کی صلاحیتوں کی درست سمت میں راہنمائی کر سکیں۔

معاشرے کی ترقی کا ضامن کوئی عام جوان نہیں ہے بلکہ کربلائی جوان ہے۔ کربلائی جوان کون ہے!؟ وہ جوان جس کی اساس کربلا پر قائم ہے اور کربلا آئین الٰہی کے نفاذ کے محور میں گردش کرتی ہے۔ تو آیئے کربلا جس آئین الٰہی پر برپا ہوئی اس میں تدبر کے ذریعے اس کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ ایک کربلائی جوان کی کیا خوبیاں ہیں۔۔۔!!

سورہ کہف کی آیت نمبر 10 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِذاَوَی الفِتیۃِاِلَی الکَھفِ فَقالُو ارَبَّنا اتنامِن لَدُنکَ رَحمۃً وَھی لَنامِن أَمرِ نارَشَداً

''جبکہ کچھ جوانوں نے غار میں پناہ لی اور یہ دعا کی کہ پروردگارا ہمیں اپنی رحمت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے کام میں کامیابی کا سامان فراہم کردے''۔

قرآن کی نگاہ میں الٰہی جوان اسے کہا جاتا ہے جس کے پاس ایمانی طاقت ہو اور وہ انقلاب لانے کی طاقت رکھتا ہو اور اسی طرح وہ اپنے راستے کو تبدیل کرنے پہ بھی قادر ہو قرآن ایسے جوانوں کو ''فتیہ'' کہتا ہے کیونکہ قرآن یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ عام جوان تھے پیغمبر، رسول یا خاص ولی نہ تھے۔

پس یہ آیت کربلائی جوان کی خوبیوں کا نمایاں منبع ہے۔ جو بتاتی ہے:

کربلائی جوان کی توانائی، راہ حق میں قربانی پیش کرنے، حقیقت کو غیر حقیقت پر ترجیح دینے، صحیح عقیدہ کی پہچان کرنے اور دنیاوی لذتوں کو ترک کرنے میں پوشیدہ ہے۔

کربلائی جوان ظاہری اسباب و ذرائع فراہم ہونے کے باوجود ان سے لگاؤ نہیں رکھتا بلکہ وہ صرف خدا کی رحمت کا امیدوار اور اس کی قدرت پر اعتماد کرتا ہے۔

یہ جوان خدا کو پانے کی سعی کرتا ہے اور تمام جھوٹے معبودوں کی نفی کر کے انھیں اپنے آپ سے دور رکھتا ہے۔

کربلائی جوان ہمیشہ حقیقت طلب ہوتا ہے۔

سماجی مسائل سے وہ غافل نہیں رہتا، بلکہ صحیح معنی میں حق و باطل میں تمیز کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ اصحاب کہف نے باطل معاشرے سے دوری اختیار کرتے ہوئے غار میں پناہ لی۔

یہ ایسا جوان ہے جو آلودہ فضا میں زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتا بلکہ ہجرت کے ذریعے فاسد معاشرے سے اپنے آپ کو نجات دیتا ہے۔

خداوند عالم سورہ احزاب کی 23 ویں آیت میں پھر ارشاد فرماتا ہے:

”مِنَ الْمُؤْمِنِینَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا“

”مؤمنین میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا، ان میں سے بعض نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا اور ان میں سے بعض انتظار کر رہے ہیں اور وہ ذرا بھی نہیں بدلے۔“

یہ آیت کربلائی جوان کا پس منظر بھی ہے اور اس کی خوبیوں کی ترجمان بھی ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو مادی زندگی کے خواہاں ہیں جبکہ بعض الٰہی لوگ بھی ہیں جوان کے مقابلے میں اپنی جانوں کو خدا کی راہ میں قربان کرتے ہیں اور اسلام اور دین کی سربلندی کا باعث بنتے ہیں۔ جہاں اکثر انسانوں کا ہدف یہ ہے کہ وہ زندہ رہیں اور بہترین مادی زندگی سے لطف اندوز ہوں وہیں پر ایسے انسان بھی موجود ہیں جو قرب خدا حاصل کرنے کے غرض سے شہادت کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور اسلام کے پودے کی اپنے خون سے آبیاری کرتے ہیں اور بہشت میں اپنا مقام بنالیتے ہیں۔ اسلام بھی اپنے پیروکاروں کو یقین دلاتا ہے کہ میدان جنگ میں قتل ہو جاؤ یا مار دیئے جاؤ تو تم کامیاب ہو اور خدا کے نزدیک تمھارا مقام عظیم ہے۔ قرآن کریم نے ایسے افراد کو جو ایثار اور فداکاری سے اپنی جانوں کو خدا کی راہ میں قربان کرتے ہیں ”وعدے کے پکے“ اور ”الٰہی عہد پر صادق رہنے والے“ کے القاب سے یاد کیا ہے۔ یہ مرتبہ، خدا نے شہدا کو عطا کیا ہے۔

پس یہ آیت بتاتی ہے کہ ایک کربلائی جوان معاشرے کا منتخب مومن ہے جو جذبہ وفا و فداکاری کے ساتھ مقدس راہ کو انتخاب کرتا ہے اور اس راہ پر وعدے کا پکا اور الٰہی عہد پر صادق رہنے والا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ آل عمران کی آیت نمبر 110 میں ارشاد فرماتا ہے:

”اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو“۔

ان دو عظیم فرائض سے اسلام کا انسان ساز اور حیات آفرین نظام حیات اور دستور زندگی عملاً نافذ رہتا ہے اور نفاذ اسلام کا ذریعہ یہی دو عظیم

فرائض ہیں۔اگر ہم معاشرے کے آئینے میں اس آیت کو منعکس کریں تو جوانوں کا طبقہ وہ بہترین گروہ ہے چونکہ یہ بصیرت وآگاہی کے اعتبار سے باکمال صلاحیتوں کا حامل ہے اوران دوخوبیوں کی وجہ سے معاشرے کی اصلاح وہدایت کا بنیادی ستون ہے۔ پس امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعے معاشرے کی ہدایت واصلاح کی جانب راہنمائی کرنا کربلائی جوان کی نمایاں خوبی ہے۔

چنانچہ ایسے نوجوانوں کی نمایاں خوبی ہے کہ وہ نہ صرف اپنی اصلاح کرتے ہیں بلکہ معاشرے کی بھی کمال کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے اصلاح کا ذمہ اٹھاتے ہیں۔جس کے لیے محکم ارادے اورتمام مخالف قوتوں سے بے نیازی کی ضرورت ہے کیونکہ:

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو
تلاطم خیر موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

ہم قرآنی نگاہ سے خوبیوں کا ادراک کر چکے لیکن ہمیں جوان طبقے کی ضرورت کو پورا کرنا ہے۔

اب جوان کی تلاش کیا ہے؟ اس کی ضرورت کیا ہے؟ ہر جوان ایک عملی نمونے کی تلاش میں ہوتا ہے کہ جو ہمارا ہم عمر ہو اور جو ہماری طرح جوانی کے جوبن پر ہو کہ جو زندگی کے نشیب وفراز سے آگاہ ہو، ایسا دوست جسے معاشرتی، سیاسی حتی اقتصادی مشکلات سے آگاہی ہو، ایسا دوست برتاؤ، بات کرنے، شجاعت، سخاوت وغیرہ کے لحاظ سے ہمارے لیے بھی آئیڈیل ہوگا۔

پس جہاں کربلا فداکاری، عشق، شجاعت، وفا، جانثاری، معرفت، بلند ہمت، عزم وباعظمت ارادے وکمال جیسے دروس کا الٰہی مکتب ہے۔ وہیں نمونہ عمل بھی دیتی ہے تاکہ ہر معاشرے کی آغوش میں کربلائی فکر کے جوان پروان چڑھ سکیں۔

اگر کوئی نوجوان یتیم ہے لیکن حق کی خاطر قربان ہونا چاہتا ہے تو امام حسن (ع) کے یتیم کی سیرت کو سامنے رکھے۔اگر کسی جوان کو خدا توفیق دے کہ وہ بھوک اور پیاس سے نڈھال ہونے کے باوجود امام عصر (ع) کی صدا پہ لبیک کہنے کا جذبہ رکھتا ہو تو وہ امام حسین (ع) کے علی اکبر (ع) کی سیرت سامنے رکھے اور اگر کوئی جوان بہت شجاع ہے اور اپنی شجاعت کو مشیت معصوم کے تابع رکھنا چاہتا ہے تو عباس جری کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھے۔

اگر کوئی جوان کسی شاہی خاندان کے ناز ونعم کا حسین شاہکار ہے اور اس کے آنسوؤں سے کائنات کی نزاکتیں دم لیتی ہیں تو اسے سید سجاد (ع) کے سفر شام کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اگر کوئی اپنے حسب ونسب میں بہت اعلیٰ ہے تو اس جوان کو عون ومحمد کے نقشِ پا کی پیروی کرنی چاہیے۔ اگر کسی جوان کو اپنے زور بازو پہ بہت ناز ہے تو مجلس عزا میں آ کر فرات کے کنارے کٹنے والے دو بازوؤں کی داستان ضرور سنا کرے۔

اگر کوئی جوان حق کی خاطر اپنے سینے پر تمغہ شہادت سجانا چاہتا ہے تو علماء سے علی اکبر کے سینے میں ٹوٹی ہوئی سناں کا حال ضرور پوچھا کرے۔ اگر کوئی جوان امام زمان (عج) کے ساتھ وفاداری کا دم بھرتا ہے تو اسے چاہیے کہ شب عاشور بجھے ہوئے چراغ کی کسوٹی پر خود کو پرکھتا رہے۔

اقبال بھی جوان کو ایسے ہی نمونہ عمل کی جانب متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ، فقر بوذرؓ، صدق سلمانیؓ

محرم الحرام میں خاص طور پر جوانوں کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی خوبیوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ بہت سے اذہان

میں یہ سوال ہوگا کہ آیا ہم کس طرح اوپر بیان کی گئی خوبیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے محرم الحرام میں فعال کردار ادا کریں؟

عزیز جوانو! عزاداریٔ امام حسین علیہ السلام معاشرہ سازی کا بہترین ذریعہ ہے۔عزاداری کا اصل مقصد بھی معاشرہ سازی ہی ہے۔کربلا کی یاد تازہ کرنے میں تاثیر بھی ہے اور نمونہ عمل بھی۔یعنی کربلا ایک شخص کو عمل کرنے پر بھی تیار کرتی ہے اور ساتھ ہی عمل صالح کا بہترین نمونہ بھی پیش کرتی ہے۔واقعہ کربلا میں انوکھا پن یہ ہے کہ یہ بندے کو خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے پر مائل کرتا ہے۔کربلا نے سجدہ شبیری کا بہترین نمونہ پیش کر کے یہ بتایا ہے کہ سجدۂ پروردگار کا حق کیسے ادا کیا جاتا ہے؟ اگر کسی خلا کو پر کرنے کی ضرورت ہے تو وہ عزاداری کو صرف صحیح سمت دینے کی ضرورت ہے، یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جو کربلائی جوان کا نمایاں ترین وصف ہے کہ وہ اس حسینی معاشرے کی صحیح سمت میں رہنمائی کرتا ہے۔

پس اے کربلائی جوانو! کربلا امر بالمعروف ونہی عن المنکر، حق دوستی اور باطل سے بیزاری کا پرچار جیسے اہم فرائض کو جوان کے شخصی کردار میں پیش کرتی ہے۔ایک جوان کربلائی کردار کو سامنے رکھ کر یہ اہم فرائض بخوبی انجام دے سکتا ہے۔جب جوان اپنے اندر کربلائی خوبیوں کو اجاگر کریں گے تو اس سے صالح سماج وجود میں آئے گا اور تب خیر کا شر پر، اچھائی کا برائی پر رعب طاری ہوگا، اندھیرے پر اُجالے کی بالا دستی ہوگی، عصری یزیدوں کا دائرہ کار اور قافیہ حیات تنگ ہوگا اور ہر حسینی کے ہاتھ پر روزانہ کئی یزیدی بیعت کریں گے اور یہ نظام کمال کا احیاء فقط کربلائی جوان کی تاریخ ساز خوبیوں پر منحصر ہے۔

اقبال بھی ان خوبیاں کے احیاء کے لیے آج کے جوان کو پیغام دیتے ہیں:

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

یہ جہاں جوانوں کے لیے پند ونصیحت ہے وہیں ہم سب کو بھی جوانوں کی تعلیم وتربیّت کے سلسلے میں کبھی مایوس اور نا امید نہیں ہونا چاہیے چونکہ جس قوم کے جوان عباس نامور کے علم کو تھامے ہوئے ہوں اس قوم کو لشکر فرنگی شکست نہیں دے سکتا اور جس قوم کا ورثہ پیاس بھرا مشکیزہ ہو اس قوم کے جوانوں کو دنیا کی سازشیں گمراہ اور بے دین نہیں بنا سکتیں۔

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امید مردِ مومن ہۓ خدا کے راز دانوں میں

رب حسینؑ تمام جوانوں کو کربلائی راہ پر چل کر کربلائی خوبیوں کا احیاء کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ یہی کربلائی جوان ظہورِ حسینِ وقت عج کی راہ ہموار کر سکیں۔

الٰہی آمین۔۔۔!!!

قافلہ حسین علیہ السلام آن پہنچا۔۔۔فتقدم

(ایک گذارش۔مضمون پورا پڑھیں)

سید اسد عباس

عزاداری سید الشہداء کے حوالے سے انسانی معاشرے اور بالخصوص پاکستانی معاشرے میں بہت سے سوالات ہیں۔کوئی کہتا ہے شہیدوں کا ماتم جائز نہیں۔کسی کا کہنا ہے اسلام میں سوگ فقط تین روز کا ہے،کسی کو یہ پریشانی ہے کہ سوگ منانا ہی ہے تو اسے چار دیواری میں مناؤ۔پھر اس کے طریقوں پر بھی اختلافات ہیں کسی کا کہنا ہے ماتم جائز نہیں،کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔عزاداری سید الشہداء کے حوالے سے یہ تمام سوالات اور اعتراضات اس بات کا ثبوت ہیں کہ امام حسینؑ اور واقعہ کربلا ہماری زندگی کی ایک حقیقت ہے جو کسی بھی دوسری حقیقت سے بڑھ کر زندہ وجاوید ہے۔

عزاداری سید الشہداء فقط ایک دینی،نظری اور فکری مسئلہ نہیں ہے۔واقعہ کربلا کے بہت سے پہلو ہیں جن میں سے ایک اس کا نظری پہلو بھی ہے۔کربلا ہماری معاشرتی حقیقت ہے،اس کا تعلق ہمارے جذبات،احساسات اور ذاتی پسند و ناپسند سے ہے۔عبادات،اعمال کا کوئی بھی پہلو لے لیں کسی ایک پہلو سے ہماری جذباتی وابستگی نہیں ہے۔حکم کے تحت ہم ہر عبادت اور عمل انجام دیتے ہیں۔چونکہ ہم نے اللہ کی واحدانیت اور نبی اکرمؐ کی نبوت کو قبول کیا پس ہم پر لازم ہے کہ ہم ان احکامات پر عمل کریں جس کا حکم ہمیں شریعت مقدسہ نے دیا ہے۔نماز قائم کریں،زکوۃ دیں،حج کریں قربانی کریں یہ سب ثواب کا باعث ہیں لیکن ان میں سے کسی عمل سے ہمارے جذبات اور انسانی احساسات کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

تاہم عزاداری سید الشہداء ایک انسانی احساس اور جذبات کا پہلو بھی رکھتی ہے۔اسی لیے یہ مذہب کی قید و بند سے بھی آزاد ہے۔کوئی عیسائی ہو یا یہودی،ہندو ہو یا سکھ،بدھ مت ہو یا لامذہب جو اپنے اندر انسانیت اور انسانی جذبات رکھتا ہے وہ عزاداری سید الشہداء کو انجام دیتا ہے۔اس احساس اور عمل کو عبادت یا سنت کا درجہ ملنے سے اس کا اثر دو آتشہ ہو گیا۔

اہل سنت ائمہ حدیث امام احمد،ابن ماجہ،حاکم،بیہقی اور طبرانی کی ایک روایت ہے جسے حاکم نے شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور امام کنانی نے جس کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے کچھ یوں ہے:

حضرت ام الفضل بن حارث سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہؐ میں نے آج رات ایک ناپسندیدہ خواب دیکھا ہے۔آپ نے فرمایا کیا دیکھا ہے؟ انھوں نے عرض کی وہ بہت سخت ہے۔آپ نے فرمایا وہ ہے کیا؟ انھوں نے عرض کیا میں نے دیکھا گویا آپ کے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈال دیا گیا ہے،تو رسول اللہؐ نے فرمایا تم نے ایک اچھا خواب دیکھا ہے۔میری بیٹی (فاطمہ) ان شاء اللہ بیٹے کو جنم دے گی اور وہ تمھاری گود میں دیا جائے گا،پھر حضرت فاطمہ کے ہاں امام حسینؑ پیدا ہوئے تو وہ میری گود میں تھے

جیسے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا۔ ایک دن میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور امام حسینؑ کو ان کی گود میں دے دیا۔ پھر میں نے اچانک دیکھا تو رسول اللہؐ کی چشمان مقدس آنسو بہارہی تھیں۔ آپ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا یا نبی اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ کو کیا ہوا؟ آپؐ نے فرمایا: میرے پاس جبریل آئے تھے اور مجھے خبر دی تھی کہ بے شک میری امت میرے اس بیٹے کو عنقریب شہید کردے گی۔ میں نے عرض کیا: اس بیٹے (حسین) کو؟ آپ نے فرمایا: ہاں اور میرے پاس اس کے مقتل کی سرخ مٹی بھی لے کرآئے ہیں۔

اسی طرح امام احمد، ابن ابی شیبہ، آجری اور ابویعلی روایت کرتے ہیں جسے امام ہیثمی نے ثقہ قرار دیا ہے اور مقدسی نے بھی اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے کہ:

عبداللہ ابن نجی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت علی کے ساتھ سفر کیا اور وہ آپ کی طہارت کا برتن اٹھانے والے تھے۔ صفین کی طرف جاتے ہوئے راستے میں وہ جب نینوی کے مقابل پہنچے تو حضرت علی نے دریائے فرات کے کنارے ندادی۔

ابوعبداللہ ٹھہر جاو!

ابوعبداللہ ٹھہر جاؤ

میں نے کہا کیا ہوا ہے؟

انھوں نے فرمایا میں ایک روز حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، جبکہ آپ کی چشمان مبارک اشکبار تھیں۔ میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ کو کس نے غضبناک کردیا، آپ کی چشمان مبارک اشکبار کیوں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ایسا کیوں نہ ہو، میرے پاس سے ابھی جبرائیل روانہ ہوئے ہیں، انھوں نے مجھے بتایا کہ بے شک (میرا بیٹا) حسین دریائے فرات کے کنارے شہید کیا جائے گا۔ جبریل نے عرض کیا: کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو ان کی شہادت گاہ کی مٹی سنگھاؤں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ انھوں نے اپنا بڑھایا اور مٹی کی ایک مشت بھری اور مجھے دی، تو میں اپنی آنکھوں کو بہنے سے روک نہیں سکا۔

مسند احمد بن حنبل اور جامع ترمذی کی ایک روایت ہے:

جناب مسلمٰی بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت اُم سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ آپ زار وقطار رو رہی ہیں۔ جب میں نے رونے کا سبب پوچھا تو ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے اپنا مکاشفہ بیان فرمایا۔ "میں نے بھی خواب میں رسول اللہ کو اس وحشت ناک حالت میں دیکھا کہ آپ کر سر اقدس اور داڑھی مبارک غبار آلود ہے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ ماجرہ کیا ہے اور آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟ فرمایا ام سلمہ! میرا لاڈلا بیٹا قتل کردیا گیا ہے اور میں اس وقت اپنے پیارے حسین کی مقتل گاہ سے آرہا ہوں۔

روایات اس قدر ہیں کہ ان سے کتب احادیث کے دفاتر پر ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ رسالت مابؐ نے اپنی زندگی میں ہی قتل حسینؑ کی خبر دی اور اس پر گریہ کیا۔ امام علی علیہ السلام نے صفین کے سفر کے دوران دریائے فرات پر جو الفاظ ادا کیے وہ خصائص الکبرای میں یوں درج ہیں:

حضرت اصبغ بن نباتہ تمیمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

اتینا مع علي موضع قبر الحسين فقال ههنا مناخ ركابهم و موضع رحالهم و مهراق دمائهم فئة من ال محمد صلي الله عليه وآله وسلم يقتلون بهذه العرصة تبكى عليهم السماء والرض

هم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قبر حسین رضی اللہ عنہ کی جگہ پر آئے تو آپ نے فرمایا یہ ان کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے، یہ ان کے کجاوے رکھنے کی جگہ ہے اور یہ ان کے خون بہنے کا مقام ہے۔ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک گروہ اس میدان میں شہید ہوگا جس پر زمین و آسمان روئیں گے۔

ائمہ اہل بیتؑ سے بھی عزائے حسینؑ پر بہت سی روایات منقول ہیں جن میں رونا، رونے کی شکل بنانا، غمزدہ ہونے، زیارت امام حسین کا ثواب لکھا گیا ہے۔ مکتب اہل بیت میں خوشی یا غم کا کوئی ایک بھی ایسا موقع نہیں ہے جس پر زیارت امام حسینؑ پڑھنے کا نہ کہا گیا ہوا۔ عید الفطر، عید الاضحیٰ، شب قدر، شب معراج غرضیکہ ہر جمعرات زیارت امام حسینؑ پڑھنے کی تشویق دلوائی گی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسانیت کو کشاں کشاں در امام حسینؑ پر لایا جارہا ہے۔

قارئین محترم! ہم انسان اپنی زندگیوں میں مختلف کرداروں، مزاجوں کے حامل ہیں۔ تاریخ انسانیت کے برے کردار جو ہم نے سن رکھے ہیں ایک شخصیت ہونے کے ساتھ انسانیت کا ایک پہلو بھی ہیں۔ فرعون، قارون، فریسی، ابوجہل، ابولہب، شمر، یزید اور ایسے ہی ہر ظالم جو نفس کا غلام ہو کر، خود پر یا معاشرے کے ساتھ ظلم و بربریت انجام دیتا ہے فقط ایک تاریخی کردار ہی نہیں ہے۔ اگر ہم کبھی اپنے گریبانوں میں بغور جھانکیں تو ہمیں اس کردار سے ملتا جلتا کوئی شخص ضرور دکھائی دے گا۔ ہم تقریبا پورا برس اس کردار کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور نام لیوا ان کے ہیں جو ان کے مخالف تھے۔ جنھوں نے ان کے خلاف قیام کیا تھا۔ یہ ایک منافقانہ زندگی ہے۔

اللہ کی ذات ہمیں سال بھر مواقع فراہم کرتی ہے کہ ہم اپنی روش پر توجہ کریں، اپنی منافقت سے باز آئیں جن کا نام لیتے ہیں ان کی راستے پر چلیں۔ کبھی رمضان المبارک کے روزوں کے ذریعے ہماری تربیت کی جاتی ہے تو کبھی روزانہ کی نمازوں سے، کبھی تلاوت کلام پاک کا کہا جاتا ہے تو کبھی حج پر روانہ کیا جاتا ہے تاکہ ہم درست راہ پر آجائیں۔ ان سب امور میں ایک مشکل یہ ہے کہ ہمارا مزاج اور فطرت منافقت سے باز نہیں آتی۔ سب بھی ایسے نہیں کچھ کو اللہ کی ذات کی جانب سے ہدایت مل جاتی ہے لیکن اکثریت بہرحال اسی دورنگی میں جیتی ہے۔ ایسے میں ماہ محرم الحرام کی آمد کے ساتھ ہی قافلہ حسین ہمارے ضمیر کے بند دروازوں پر آن پہنچتا ہے۔ اب ہمارے پاس چارہ نہیں رہ جاتا کہ ہم کسی ایک راہ کا انتخاب کریں۔ ہمیں فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ تم نے کونسی راہ کا انتخاب کرنا ہے آیا حسینیت یا اس کے مقابل یزیدیت۔ انتخاب ہمارا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ہماری روح، جسم، مزاج اور فطرت سب کے سب اس فیصلے میں شریک ہوتے ہیں۔ ہم اپنے وجود کی گہرائی سے فیصلہ کرتے ہیں کہ مجھے حسین کے قافلے میں شامل ہونا ہے۔ مبتدی ہی سہی تاہم مجھے اس قافلے میں رہنا ہے۔ یہ سلسلہ روز شہادت امام حسین علیہ السلام سے بدستور جاری ہے اور لاکھوں انسانوں کو ہدایت سے ہمکنار کر چکا ہے۔ یہی سبب ہے کہ انسانوں کو در حسین پر آنے کی تشویق دلائی گئی۔

میری سب انسانوں سے گذارش ہے انجانے میں اس قافلے کی راہ میں روڑے مت اٹکائیں، اس کے لیے مشکلات کھڑی مت کریں بلکہ دل و جان سے اس کا استقبال کریں کیونکہ یہ انسانیت کی فلاح کا کاروان ہے جس نے تا قیام قیامت یونہی رواں دواں رہنا ہے۔ کاروان کی صفوں میں نظم اور ترتیب کا کام بھی نہایت دانشمندی سے انجام دینے کی ضرورت ہے کیونکہ اس قافلے میں شامل ہونے والا ہر فرد ہزار رنگوں کی دنیا سے آیا ہے سب ایک جیسے نہیں ہیں۔

حضرت عبداللہ شاہ غازی

تحریر: علامہ سید احمد حسین حسینی پاراچنار

حضرت عبداللہ غازی کے حالات اور واقعات کا تاریخ میں بہت کم ذکر ملتا ہے مگر پھر بھی عوام وخواص آپ کے حد درجہ عقیدت مند ہیں اور آپ کی ڈھیروں کرامتیں زبان زد عام وخاص ہیں جنھیں لوگوں کے اذہان سے نہیں نکالا جا سکتا۔ آپ قدیم بزرگ ہستیوں میں سے ہیں۔ آپ کا شجرہ یوں ہے: سید ابو محمد عبداللہ الاشتر، معروف عبداللہ شاہ غازی بن سید نفس زکیہ بن عبداللہ محض بن حسن مثنی بن حضرت امام حسن علیہ سلام بن حضرت امام علی بن ابی طالب علیہ سلام۔ آپ کا شجرۂ نسب چوتھی پشت میں حضرت امام حسن بن علی (ع) سے جا ملتا ہے۔ حضرت حسن مثنی کی شادی حضرت سیدہ فاطمہ صغری بنت حضرت امام حسین علیہ سلام سے ہوئی اسی وجہ سے آپ حسنی اور حسینی سید ہیں۔

اہم کوائف

نام مبارک: حضرت عبداللہ غازی، کنیت ابو محمد، لقب مدینہ میں اشتر، پاکستان میں شاہ غازی

ولدیت: سید محمد نفس زکیہ

تاریخ ولادت: سنہ 125 ہجری قمری

مقام پیدائش: مدینہ منورہ

عمر شریف: 27 سال تقریبا

اولاد: ایک بیٹا (محمد ابو الحسن)

حاکم وقت: منصور دوانیقی عباسی خلیفہ

تاریخ شہادت: ذی الحجہ سال 151 ہجری

محل دفن: کراچی، کلفٹن، سمندر کے کنارے

آپ کی پیدائش کا زمانہ، بنوامیہ کی حکومت کا آخری دور تھا۔ آپ کی ولادت واقعہ کربلا کے کئی سال بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ اس وقت بنو امیہ کی 92 سالہ حکومت زوال پذیر تھی۔ یہ ظلم و جور اور بربریت کا سخت دور تھا۔ اموی حکمران اہل بیت اطھار (ع) کو اپنی حکمرانی کے لیے ہمیشہ خطرہ سمجھتے تھے۔ انھوں نے ہزاروں سادات شہید کیے، ہزاروں جلاوطن اور اکثر نے مخفی ہو کر گمنامی کی زندگی گزاری۔ اسی طرح عباسی حکمران جب مسند اقتدار پر بیٹھے تو ہر ایک نے اپنا تسلط جمانے اور لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت بٹھانے کے لیے وہ مظالم کیے جو تاریخ کے خون آلود اوراق میں کسی پر مخفی نہیں ہے۔ انھوں نے اہل بیت (ع) کے قتل میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ منصور نے خصوصی طور پر جو مظالم ڈھائے وہ سلاطین عباسی کی پیشانی پر بہت بڑا بدنما داغ ہے جو تاقیامت باقی رہے گا۔

حضرت عبداللہ شاہ غازی کی سندھ کی طرف ہجرت

بلاشبہ صوبہ سندھ کو یہ عظیم اعزاز حاصل ہے کہ اس میں بڑے بڑے عظیم المرتبہ بزرگان دین مدفون ہیں۔ انھیں بے مثال اور لازوال ہستیوں میں سے خاندان رسول اللہ (ص) سے تعلق رکھنے والے عبداللہ شاہ غازی بھی ہیں۔ جس وقت بنی امیہ کی حکومت زوال پذیر ہو چکی تھی اور منصور دوانیقی کا دور حکومت تھا اس وقت 138 ہجری میں آپ کے والد صاحب نے مدینہ منورہ سے علوی تحریک شروع کی۔ عبداللہ غازی کے باپ نے حضرت ابراھیم بن عبداللہ کو اس ضمن میں بصرہ روانہ کیا۔ اس زمانے میں سادات کے ساتھ انتہائی ظلم کا رویہ رکھا گیا تھا، اس ظلم کے کئی واقعات معروف ہیں جن میں حضرت ابراھیم کا واقعہ خاص طور پر مشھور ہے۔ ابراھیم حاکم بصرہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، ظالم نے آپ کو انتہائی بے دردی کے ساتھ دیوار میں زندہ رکھ کر شھید کر دیا۔ یہ دیوار آج بھی بغداد میں مشہور ہے۔ حضرت ابراھیم انتہائی وجیہ اور حسین و جمیل تھے جس کی وجہ سے آپ کا لقب دیباج مشھور رہا۔ عبداللہ غازی کے والد صاحب نے آپ کو اپنے بھائی جناب ابراھیم کے پاس بصرہ بھیجا اور وہاں سے ہوتے ہوئے آپ سندھ کی جانب روانہ ہوئے۔

ابن اثیر نے الکامل فی التاریخ میں لکھا ہے:

> عبداللہ غازی خلیفہ منصور کے دور حکومت میں سندھ تشریف لائے۔ آپ کی سندھ آمد کے ضمن میں دو قسم کے بیان تاریخ سے ثابت ہیں۔ ایک یہ کہ آپ تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لائے تھے، دوسرا یہ کہ آپ علوی خلافت کے نقیب کی حیثیت سے ایک تاجر کے روپ میں آئے تھے۔ تاجر اس لیے کہا گیا کہ آپ جب سندھ تشریف لائے تو اپنے ساتھ بہت سے گھوڑے بھی لائے تھے۔ آپ کی آمد پر مقامی لوگوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور سادات کی ایک شخصیت کو اپنے درمیاں پا کر بہت عزت و احترام کا اظہار کیا۔ آپ کئی برس تک اسلام کی تبلیغ میں سرگرم رہے اور آپ نے مقامی آبادی کے سینکڑوں لوگوں کو مشرف با اسلام کیا۔

حضرت عبداللہ غازی پاکستان سندھ آمد کی روایت

تاریخ ابن خلدون (732-808) اور تاریخ طبری میں بھی تفصیل سے ذکر ہوئی ہے۔ عبدالرحمن بن خلدون اور ابن جریر طبری لکھتے ہیں:
منصور کی دور خلافت میں سندھ کا گورنر عمر بن حفص بن عثمان بن قبیطہ بن ابی صفرہ ملقب بہ ہزار مرد تھا۔ جس وقت محمد نفس زکیہ نے قیام کیا تو انھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ غازی معروف بہ اشتر کو لوگوں کو دعوت دینے کی غرض سے بصرہ روانہ کیا۔

عبداللہ غازی ایک عرصہ مصر میں گزارنے کے بعد سندھ میں عمر بن حفص کو دعوت دینے کے غرض سے بصرہ سے ایک تیز رفتار اونٹنی خرید کر سندھ کی طرف ایک تاجر کی حیثیت سے روانہ ہوئے۔ عمر بن حفص آل رسولؐ سے محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ سندھ میں آپ نے اپنی زیادہ تر توجہ تبلیغ اسلام کی طرف مرکوز رکھی۔ ایک دن آپ کے ایک ساتھی نے گورنر سندھ کو دعوت دی۔ انھوں نے عبداللہ اشتر کی دعوت کو قبول کر لیا اور اپنے ساتھ خفیہ طریقہ سے ٹھہرالیا اور اپنے لشکر کے سرداروں اور امراء شہر کو بلا کر محمد نفس زکیہ (والد عبداللہ غازی) کی خلافت کو قبول کرنے کی دعوت دی اور ان سب نے دعوت کو قبول کر لیا۔ اس کے بعد عمر بن حفص نے بنو عباس کے شاہی لباس چاک کر کے خطبہ دینے کے لیے سفید کپڑے بنوائے۔ اس اثناء میں اچانک محمد نفس زکیہ کے شھید ہوجانے کی خبر آ پہنچی۔ عمر بن حفص، عبداللہ غازی کے پاس گئے۔ عبداللہ غازی اپنے والد کی شہادت کی وجہ سے بہت افسردہ اور غمگین ہوئے تو اس موقع پر عمر بن حفص نے آپ کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا کہ رنجیدہ نہ ہوں میں آپ کو یہاں کے ایک ھندو راجہ کے پاس بھیج دیتا ہوں اگرچہ وہ اپنے ھندو نظریہ پر قائم ہے مگر وہ سرور کائنات حضرت محمدؐ اور ان کی آل کا بے حد احترام کرتا ہے۔ وہ آپ کو بڑے احترام سے رکھے گا۔ وہ خود مختار ہے اور ایفاء عھد میں مشھور ہے۔ عبداللہ غازی اس رائے پر راضی ہو گئے۔ عمر بن حفص نے خط و کتابت کر کے معاہدہ لکھنے کے بعد عبداللہ غازی کو اس کے پاس بھیج دیا۔ رفتہ رفتہ عبداللہ غازی کے پاس زیدیہ مکتب سے تعلق رکھنے والے چار سو (400) افراد جمع ہو گئے۔

منصور کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو سخت برھم ہوا۔ اسی وقت عمر بن حفص کی معزولی کا فرمان صادر کر دیا اور ھشام بن عمر کو سندھ کی گورنری پر مامور کیا۔

عبداللہ شاہ غازی کی ہجرت کے اسباب

1۔ پہلا سبب یہ ہے کہ زمانہ قدیم سے عربوں کے مختلف تعلقات برصغیر پاک ھند کے باشندوں سے قائم ہو چکے تھے، خصوصا تجارتی تعلقات برقرار تھے، عرب ممالک میں ھندوستان کی خوشبودار لکڑی (عود ھندی) اور صندل کی قدر کی جاتی تھی۔ اسی طرح ساج اور سگوان کی لکڑی استعمال ہوتی تھی۔ اسی سلسلے میں تاریخ پاکستان میں لکھا ہے:

> حضور پاک (ص) کے چار پائی کے پائے سگوان کے بنے ہوئے تھے۔ کافور، نارگیل، مرچ، مخملی کپڑے کی بھی بہت مانگ تھی۔ قسط ھندی ایک لکڑی تھی جو سندھ کے ساحلوں سے عدن بھیجی جاتی تھی۔ وہاں اسے دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ایک ہندوستانی راجہ نے ادرک سے بھرا مٹکا حضور پاک (ص) کی خدمت میں پیش کیا، آپ (ص) نے اس میں سے خود بھی کھایا اور مجھے بھی عنایت فرمایا۔ سندھ سے بانس اور بید کی لکڑی بھی عرب جاتی تھی۔ ھندی تلوار کو مکہ مکرمہ میں مقبولیت حاصل تھی۔ شرفاء عرب سندھی مرغی بھی نہایت رغبت سے کھاتے

تھے۔سندھی لنگی اور چادر بھی عربوں کو بہت پسند تھی۔ بردیمانی دراصل سندھ کی چادر تھی جو پہلے یمن جاتی تھی وہاں سے عرب کے اندرونی بازاروں میں بھیج دی جاتی تھی۔

2۔دوسرا سبب اہل سندھ کی حد سے زیادہ اہل البیت (ع) سے محبت اور عقیدت ہے جیسا کہ مبارک علی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

سندھ میں سادات کو نبی کریم (ص) کی نسل سے خیال کرتے ہیں اس وجہ سے لوگ ان کے مافوق الفطرت احترام کرتے ہیں، سادات کی شان میں گستاخی کرنا یا ان سے بدتمیزی کرنے کی کسی شخص میں ہمت نہیں ہے۔ان تعلقات اور لوگوں کی آل رسول (ص) سے بے حد محبت کی بناء پر عبداللہ غازی نے سندھ کا انتخاب کیا ہوگا۔

عبداللہ اشتر (عبداللہ غازی) کی سندھ آمد کی تاریخ

عبداللہ اشتر کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے جوانی کے دوران میں بلاد سندھ کی طرف ہجرت کی ہے۔ابھی آپ 20 سال کے نہیں ہوئے تھے کہ آپ نے دینی ذمہ داری کے احساس اور انبیاء کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے اپنے وطن سے ہجرت کی۔

136 ہجری مطابق 754 عیسوی میں سفاح بن محمد کی حکومت ختم ہوئی، اس کا بھائی ابوجعفر عبداللہ بن محمد جو منصور کے نام سے مشہور تھا، تخت خلافت پر بیٹھا۔ چند سال کے اندر اس نے آل رسول (ص) اور دوسرے لوگوں پر ظلم کا سلسلہ شروع کیا۔اس کے ظلم کے مقابلے میں حسنی سادات نے قیام کیا۔محمد نفس زکیہ نے عباسی حکومت کے مظالم کے خلاف 144 ھ میں قیام کیا، محمد نفس زکیہ نے بھائیوں اور بیٹوں کو نمائندہ بنا کر مختلف ممالک میں بھیجا۔اسی سلسلے میں 144 ہجری مطابق 761 عیسوی میں سندھ کی طرف اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ اشتر کو روانہ کیا۔

اعجاز الحق قدوسی عبداللہ غازی کی سندھ آمد کی تاریخ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

حسنی سادات میں سے محمد نفس زکیہ عباسی حکومت کے خلاف 144 ھ میں کھڑے ہوئے۔حجاز اور عراق میں آپ کے ہزاروں طرف داروں نے بھی قیام کیا۔حسنی سادات کی جدو جہد زیادہ منظم تھی، صرف کوفہ میں ایک لاکھ لوگ تیار تھے۔

نفس زکیہ نے علوی حکومت کے قیام کے لیے اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو نمائندہ بنا کر مختلف ممالک میں بھیجا۔اسی سلسلے میں 144 ھ مطابق 761 عیسوی میں سندھ میں اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ اشتر کو روانہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سندھ کا گورنر عمر بن حفص تھا۔عبداللہ اشتر چند اچھے گھوڑے خرید کر تاجروں کے بھیس میں سندھ پہنچے۔گورنر عمر بن حفص نے پہلے بحیثیت ایک تاجر سلوک کیا لیکن ایک دن عبداللہ اشتر کے ساتھیوں نے موقع پا کر عمر بن حفص کو اپنے آنے کا مقصد بتایا اور گورنر کو سادات کی حکومت قائم کرنے میں مددگار ہونے کی دعوت دی۔عمر بن حفص نے فورا اس دعوت کو قبول کر لیا۔شہر کے معززین کو بلا کر ان سے مشورہ کیا، آخر جمعرات کا دن ان کی بیعت کے لیے مقرر ہوا، ایک سفید جھنڈا تیار کیا گیا اور عبداللہ اشتر کے لیے سفید کپڑے تیار کیے۔اسی وقت عبداللہ اشتر کو والد اور چچا ابراھیم کے عباسیوں کے ہاتھوں شہید ہونے کی خبر ملی۔

سندھ میں عبداللہ غازی کی مدت اقامت کا تحقیقی جائزہ

عبداللہ شاہ غازی کی سندھ آمد اور عرصۂ قیام کے بارے میں کوئی دقیق معلومات نہیں ہیں۔مورخین نے بغیر تحقیق کے آپ کی سندھ میں

مدت اقامت 10 یا 12 سال لکھی ہے۔اس مدت پر کوئی محکم دلیل موجود نہیں ہے۔

میری تحقیق کے مطابق عبداللہ شاہ غازی سندھ میں 6 سے 7 سال تک رہے۔آپ کی مدت اقامت کا یہ اندازہ بعض تاریخوں اور وقایع سے لگایا جا سکتا ہے۔جیسا کہ جناب محمد نفس زکیہ نے شہادت (145ھ-762 عیسوی) سے پہلے اپنے بھائی اور بیٹے مختلف شہروں اور ممالک کی طرف روانہ کیے۔سندھ میں اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ اشتر روانہ کیا۔عبداللہ غازی کے سندھ پہنچنے کے مختصر مدت بعد ان کے والد مکرم کی شہادت کی خبر سندھ کے گورنر نے سنائی،تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ 145 ھجری یا تھوڑی مدت پہلے یعنی 144 ہجری میں سندھ تشریف لائے اور ان کی شہادت (151 ہجری بہ مطابق 769 یا 768 عیسوی) کو واقع ہوئی ان دو تاریخوں کا درمیانی فاصلہ 6 یا 7 سال بنتا ہے۔اس طریقے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے سندھ میں تقریباً 7 سال کا عرصہ گزارا ہے۔

عبداللہ غازی اور اسلام کی تبلیغ

حضرت عبداللہ شاہ غازی نے ہی سندھ کے سرزمین پر اسلام کا بیج بویا۔آپ کا شمار عرب سے آنے والے مبلغین اسلام میں ہوتا ہے۔کہاں سندھ اور کہاں مدینہ منورہ،کتنی مسافت ہے،کتنا لمبا سفر ہے۔صحابہ کرامؓ کے بعد کوئی اسلام کی تعلیم دینے یا تبلیغ کے لیے سندھ نہیں آیا تھا۔یہ بات بھی تاریخ ہی سے ثابت ہوتی ہے کہ اس کے بعد سندھیوں کی بنجر زمین میں سب سے پہلے حضرت عبداللہ غازی نے ہی اسلام کا بیج بویا،پھر اس کی آبیاری کی،نہایت بردباری سے لوگوں کے دلوں میں محبت اور اخوت کا جذبہ ایجاد کیا اور دلوں کو گرمایا اور ایمان کی زرخیزی سے روشناس کروایا۔اس لیے کہ جو کام ان کے ذمہ تھا وہ صرف ظاہری طریقے سے نہیں ہوسکتا تھا۔تاریخ کو رخ عطا کرنے والے ظاہر کے ساتھ باطن کی دنیا کے شاہسوار بھی ہوتے ہیں جن کا ظاہر پہ کم اور باطن پہ زیادہ زور اور توجہ ہوتی ہے۔آپ نے علاقے میں اسلامی تعلیمات عام کرنے کے لیے اقدامات کیے۔اس سلسلے میں اہل سنت کے ایک مشہور مورخ،ابن اثیر لکھتے ہیں:

> آپ کئی برس تک اسلام کی تبلیغ میں سرگرم رہے اور مقامی آبادی کے سینکڑوں لوگوں کو مشرف با اسلام کیا۔

عبداللہ شاہ غازی،اتحاد امت اور اخلاقی خدمات

حضرت عبداللہ شاہ غازی کی علاقہ سندھ میں بڑی بنیادی اسلامی خدمات ہیں۔آپ اتحاد اور اخوت کے علمبردار تھے۔آپ نے رواداری، محبت اور حسن کردار کے بہترین نمونے پیش کیے۔حضرت عبداللہ شاہ غازی کے اس کردار کے بارے میں محمد نواز تشنہ لکھتے ہیں:

> یہ بات باعث افتخار ہے کہ صحابہ کرام کے بعد برصغیر میں ایک ایسی جگہ پاکستان کے صوبہ سندھ میں ہے جہاں سب سے پہلے سادات یعنی حضرت علی مرتضی مشکل کشا(ع) کی اولاد میں سے ایک ہستی تشریف لائی جس نے اسلام کی تبلیغ کی اور لوگوں کو دینی اور دنیاوی تعلیم دی۔برصغیر میں اسلام سب سے پہلے آپ نے سندھ میں پھیلایا۔اس میں مسلمانوں کے اخلاق،رواداری،محبت اور حسن کردار کا بڑا حصہ ہے۔

عبدالحی حبیبی،عبداللہ غازی کی اسلام کے لیے بنیادی خدمات اور اسلامی تحریک چلانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عبداللہ اشتر علوی ابوطالب کے خاندان میں وہ شخصیت ہیں جنہوں نے عباسی حکمرانوں کے خلاف قیام کیا۔ آپ اسلامی خلافت کے مدعی تھے۔ آپ نے بصرہ سے سندھ کی طرف ہجرت کی، ہزار مرد (گورنر سندھ) نے آپ کو راجہ کے حوالے کیا۔ راجہ آل نبی (ص) کے چاہنے والوں میں سے تھا۔ اسی زمانے سے عبداللہ اشتر نے سندھ میں شیعیان آل ابی طالب کی تحریک کا آغاز کیا۔

اسباب غیب اور عبداللہ غازی کی حفاظت

عباسی خلیفہ منصور، عبداللہ غازی سمیت تمام سادات کے قتل کے درپے تھا۔ منصور نے اطلاع ملنے پر کئی مرتبہ حضرت عبداللہ غازی کو گرفتار کرنے کے احکامات جاری کیے لیکن اللہ تعالی نے جو کام آپ سے لینا تھا اس کے لیے پورا پورا اہتمام کیا۔ ایک ایسا گورنر سندھ میں متعین تھا جو آپ کی تعظیم کرتا اور آپ کا خیال رکھتا تھا اور کسی قیمت پر آپ کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا بلکہ اس نیک بخت گورنر یعنی عمر بن حفص نے آپ کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی تھی اور در پردہ آپ کی حمایت کرتا تھا۔ دراصل ان ہستیوں کے لیے اس دار العمل میں جس جگہ کا انتخاب کیا گیا ہوتا ہے وہاں ان کے لیے اسباب بھی مہیا ہوتے ہیں۔ گورنر سندھ کا مطیع ہونا، آپ کی گرفتاری کے احکامات ٹالنا اور آپ کو حفاظت کے ساتھ دوسری ریاست میں بھیجنا یہ سب غیبی مدد اور اعانت تھی اور آپ کے عمل کی تائید تھی۔

عبداللہ شاہ غازی کی باطنی روشنی

جب کسی کے حالات زندگی لکھتے ہیں تو متعلقہ تمام کتب، رسائل، خطوط اور تحریروں کا حوالہ دینا ضروری ہوتا ہے تا کہ حالات اور واقعات کی تصدیق میں آسانی ہو اور قاری پر ہر بات واضح ہو جائے لیکن باطن کی بات لکھنے کے لیے کس چیز کا حوالہ دیا جائے اور کون سا ثبوت پیش کیا جائے، اگر کچھ ثبوت دے بھی دیا جائے تو کون اس کی تصدیق کرے گا۔ بہر حال میرے نزدیک پہلا ثبوت تو لاکھوں زائرین کا آپ کے مزار پر حاضری ہے، دوسرا یہ کہ باطن کے کئی ایک شاہسواروں نے یہ بات کہی ہے کہ غازی شاہ عبداللہ کی بہت بڑی روحانی حکومت ہے اور یقیناً ہے۔ جن لوگوں کو معرفت ہے اور جن کا باطن بیدار ہے اور ان کا قلب روشن ہے وہ تو یہ سب کچھ ہمہ وقت دیکھتے ہیں، ہدایات لیتے ہیں اور مزار پر ایسے حاضری دیتے ہیں جیسے وہ شاہ عبداللہ غازی صاحب سے ملاقات کر رہے ہیں۔ یہ نہایت ادب کے ساتھ لکھا ہے، ورنہ جب زمان و مکان سے چھٹکارا ہو جاتا ہے تو پھر کہیں آنے جانے کا کیا معنی۔ ویسے شہید تو مرتے نہیں ہیں بلکہ زندہ ہوتے ہیں اور اللہ کے ہاں سے رزق پاتے ہیں۔ شہید یعنی وہ جس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو، ہم اس کی کیا تعریف کر سکتے ہیں۔ آپ کا پورا خاندان رسالت، پورا شجرۂ شریف شہید ہو، شہید جلی بھی ہو اور شہید خفی بھی کون ان میں سے مرا ہے سب کے سب زندۂ جاوید ہیں بلکہ جن کی تمام دنیا پر باطنی حکمرانی ہے۔

عبداللہ غازی کی باطنی حکمرانی

حکومت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک لوگوں کے جسموں پر اور دوسری ان کے دلوں پر۔ غازی شاہ عبداللہ کی حکومت ظاہر و باطن دونوں پر قائم

ہے۔ سارے دفتر ان کے ہیں جہاں تمام زائرین کی مرادوں اور دعاؤں کی عرضیاں وصول کی جاتی ہیں اور پھر ان پر احکامات صادر ہوتے ہیں۔ ثبوت یہ ہے کہ اگر زائرین کی مرادیں پوری نہ ہو رہی ہوں تو پھر یہ جم غفیر کیسا، جو ہر آنے والے دن کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ جمعرات کو تو آپ کے مزار کی سیڑھیاں چڑھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ عام ایام میں بھی زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ عبداللہ غازی کی باطنی حکومت کا حال کہاں سے معلوم ہوگا۔ کس نے اس پر لکھا ہے۔ کس لائبریری اور دفتر سے ملے گا۔ سرکار دو عالم (ص) کی حدیث مبارک ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے امتی بنی اسرائیل کے نبیوں کے ہم مرتبہ ہوں گے۔ یہ وہی ذوات ہیں جنہوں نے اپنی زندگی امت محمدی کے لیے وقف کی ہوگی۔ یہ وہی ہیں جنھیں غم امت لاحق ہوگا۔ قرآن کریم کے احکامات اور سیرت نبی (ص) کی پیروی میں انہوں نے وہی کچھ کیا ہوگا جو نبیوں نے کیا۔ انبیاء کرام (ع) کے دو مقصد تھے پہلا خدا کی طرف دعوت اور دوسرا طاغوت کا مقابلہ کرنا۔ اس مقابلے میں لوگ دو قسم کے ہیں۔ بعض نے ایمان لا کر ہدایت کا راستہ اپنایا اور باقی گمراہ ہوئے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

(وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللهُ وَ مِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ)

اور یقیناً ہم نے ہر امّت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو پھر ان میں بعض کو خدا نے ہدایت دے دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی تو اب تم لوگ روئے زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔

ورنہ بنی اسرائیل کے نبیوں کی برابری کیسی۔ نبیوں کے ظاہر کے کام تو ہر کسی نے دیکھے ہیں مگر ان کے باطنی کارناموں سے کون واقف ہے۔ کیا کسی نے ابھی تک لکھا ہے کہ غار حرا میں کیا ہوتا تھا۔ کسی ظاہر بین کی نہ بساط ہے نہ دسترس۔ فقط اہل باطن ان رازوں سے واقف ہوتے ہیں۔

عبداللہ غازی کی شہادت

عبداللہ شاہ غازی روایتی جاہ وجلال اور شان وشوکت سے سیر اور شکار کی غرض سے باھر تشریف لے جاتے تھے۔ چونکہ آپ کے ساتھ بہت سارے مرید بھی ہوتے تھے اور کچھ سامان بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ آپ کا قافلہ لشکر کی شکل اختیار کر لیتا تھا جہاں سے گزرتا تھا گرد وغبار اُڑتا تھا جیسا کہ ریگستانوں میں ہوتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عمر بن حفص کو سندھ کی گورنری سے سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ وہ عبداللہ غازی کی تعظیم وادب اور احترام کرتے تھے حتیٰ کہ وہ آپ کے ہاتھ پر بیعت بھی کر چکے تھے۔ خلیفہ منصور نے ہشام بن عمر کو سندھ کا گورنر مقرر کیا اور اسے عبداللہ غازی کی گرفتاری کے احکامات صادر کیے۔ ہشام بن عمر بھی عبداللہ شاہ غازی کو گرفتار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ 151 ہجری کا سال تھا، جب سندھ کے علاقے سے حکومت کے خلاف بغاوت کا علم بلند ہوا تو گورنر نے اپنے بھائی سفیح بن ہشام کو اس بغاوت کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ جب سفیح مہران کے سمندر کے کنارے پر پہنچا تو اس نے حضرت عبداللہ غازی کے قافلے کو باغیوں کی یلغار سمجھا ساتھیوں نے سمجھایا کہ یہ عبداللہ غازی ہیں اور رسول اللہ (ص) کی اولاد میں سے ہیں مگر وہ نہ مانا۔ اس کے ساتھیوں نے پھر سمجھایا پھر بھی نہ مانا اور یوں عبداللہ غازی کے ساتھیوں پر سفیح کے لشکر نے پورے فوجی ساز وسامان کے ساتھ حملہ کر دیا۔ عبداللہ شاہ غازی تو مسلمانوں کے اتحاد اور اخوت کے علمبردار تھے۔ کبھی مسلمانوں کے خلاف تلوار

اٹھانے اور ان کو آپس میں لڑانے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے مگر ان پر جنگ مسلط کر دی گئ تو انھوں نے اپنے اور اپنے مریدوں کے تحفظ کے لیے مقابلے کا فیصلہ کیا۔ آپ اور آپ کے ساتھیوں نے خوب مقابلہ کیا حتیٰ کہ دشمن کے قدم اکھڑ گئے اور ان کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ تاہم آپ کے ساتھیوں کو بھی نقصان پہنچا۔ لڑائی کے دوران میں کسی ظالم کے وار سے آپ زخمی ہو کر گر پڑے اور بعد میں شہید ہو گئے۔

حضرت عبداللہ غازی کا عرس مبارک

حضرت عبداللہ غازی کا عرس مبارک آپ کی شہادت کی مناسبت سے 20، 21 اور 22 ذی الحجہ کو ہر سال عقیدت اور احترام سے آپ کے مزار اور اطراف میں منایا جاتا ہے۔ گورنر سندھ اور صوبائی وزرا تقریبات کا باقاعدہ افتتاح کرتے ہیں اور بطور مہمان خصوصی شرکت کرتے ہیں۔

تین دن تقریبات کے دوران میں لاکھوں عقیدت مند عبداللہ غازی کے مزار پر چادریں چڑھاتے اور پھول نچھاور کرتے ہیں۔

مختلف تقریبات منعقد ہوتی ہیں۔ قرآن خوانی ہوتی ہے۔ محافل منعقد ہوتی ہیں اور نعت خوانی کی جاتی ہے۔ قوالیاں ہوتی ہیں، تقاریر کی جاتی ہیں۔ چادریں چڑھائی جاتی ہیں اور ڈالیاں آتی ہیں۔ علم بلند کیے جاتے ہیں۔ لنگر تقسیم ہوتا ہے اور محتاجوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔

عبداللہ غازی کے مزار پر لوگوں کی حاضری

عبداللہ غازی کے مزار پر عقیدت مندوں کا روزانہ رش ہوتا ہے۔ شب و روز زائرین آتے ہیں لیکن بعض خاص ایام میں سب سے زیادہ رش ہوتا ہے۔ جمعرات کی شام کا جب سورج غروب ہوتا ہے تو مزار پر لوگوں کی بھیڑ شروع ہو جاتی ہے۔ لوگ جوق در جوق مزار کا رخ کرتے ہیں۔ مزار سے باہر سڑکوں پر ٹریفک زیادہ ہو جاتی ہے۔ ٹریفک کا ہجوم اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ آج جمعرات ہے۔ آپ کے مزار پر آنے والے زائرین میں ہر مذھب کے افراد شامل ہوتے ہیں۔ زائرین کا کہنا ہے کہ یہاں آ کر ان کے دل کو تقویت ملتی ہے اور مرادیں پوری ہوتی ہیں۔

مزار کے نچلے حصے میں لوگوں کا جم غفیر دیکھنے میں آتا ہے۔ لوگ بریانی، حلیم اور دیگر نذورات تقسیم کرنے اور کھانے میں مصروف رہتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ میں چادر، کسی ہاتھ میں پھول اور کسی کے ہاتھ میں اگربتی ہوتی ہے۔ اصلی دروازوں سے تھوڑا آگے جا کر دیگیں پکانے والوں کی دکانیں ہیں جن میں بریانی، چنا پلاؤ، قورمہ، حلیم اور مختلف ڈشیں پکانے والے مل جائیں گے۔

ماہ صفر میں عبداللہ غازی کو پرسہ

ہر سال 28 صفر کی رات شہادت امام حسن علیہ السلام کے مناسبت سے مؤمنین و مؤمنات امام زادہ عبداللہ غازی کے مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ شہادت امام حسن (ع) کے موقع پر آپ کے پوتے کو پرسہ پیش کرتے ہیں۔ جنت البقیع میں حضرت امام حسن علیہ السلام کی زیارت پر پابندی ہے اس کے بدلے لوگ اپنے وطن پاکستان میں امامؑ کے پوتے کے مزار پر حاضری دیتے ہیں۔

کتابیات امام حسینؑ

مؤلف: سید نثار علی ترمذی

فن کتابیات (Biblio Graphy) کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ عام وخاص قارئین کی رسائی ان آخذ تک کرادی جائے جوان کے موضوع یا موضوعات سے تعلق رکھتے ہیں علوم کی موجودہ تقسیم کے مطابق کتابیات لائبریری سائنس کے ایک جزو لاینفک ہے کیونکہ اس علم اور فن تحقیق کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے اس لئے کتابیات کو کسی بھی موضوع کی تحقیق کی خشت اول قرار دے دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا تحقیق کا تو پہلا زینہ ہی ان منابع کو جاننا ہے جن سے متعلقہ موضوع پر مفید معلومات فراہم ہوسکتی ہیں اور ایسے منابع کا پتہ کتابیات ہی سے چلتا ہے۔

کئی علوم کی طرح کتابیات کا سنگ بنیاد بھی مسلمانوں ہی نے رکھا اور اس سلسلے میں ایسی شاندار روایات قائم کیں کہ آج بھی لائبریری سائنس کے بڑے بڑے مغربی ماہرین سراہتے ہوئے مسلمانوں کی بلند پایہ خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے نظر آتے ہیں اس ضمن میں ہونے والی مسلمانوں کی کاوشوں میں سے تین مصادر کا ذکر کردینا ہی کافی ہے ان میں ایک تو ''ابن الندیم'' ہے جس کی الفہرست اتنی صدیاں گذر جانے کے باوجود مستند ترین مصادر میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کے بعد حاجی خلیفہ کی ''کشف الظنون'' ہے اور اس عہد میں آغا بزرگ طہرانی کی ''الذریعہ الیٰ تصانیف الشیعہ'' ہے جس کو اب اضافوں کے ساتھ نئے سرے سے شائع کیا گیا ہے افسوس کہ مسلمانوں کی قائم کردہ یہ قابل قدر روایات زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکیں اور دیگر علوم کی طرح انھیں بھی اغیار لے گئے اور پھر بنا سنوار کر ایک مکمل علم کے درجے تک پہنچا دیا۔

زیر نظر مضمون میں امام عالی مقام حسین علیہ السلام کی زندگی اور تحریک کربلا کے حوالے سے لکھی جانے والی کتب کا جائزہ لیں گے۔ امام عالی مقام حسینؑ عالم اسلام کی ان شخصیات میں سے ایک ہیں جن کہ بارے میں سب سے زیادہ لکھا گیا گو کہ ان چند اوراق پر ان کا احاطہ کرنا ناممکن ہے مگر کوشش کی گئی ہے کہ پڑھنے والا ابتدائی معلومات سے بہرہ مند ہوسکے سردست میری نظر میں کتابیات امام حسینؑ پر تین حوالے موجود ہیں کہ جن سے رجوع کرنے سے موضوع کے متعلق سیر حاصل معلومات میسر آسکیں گئیں گو کہ مذکورہ آخذ کسی طرح بھی مکمل آگاہی نہ دے سکیں گے مگر شائقین تحقیق وجستجو کے لئے زینہ ضرور فراہم کرسکتے ہیں۔

پہلا مجموعہ سید حسین عارف نقوی کا مرتب کردہ ''برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم'' جسے مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان، اسلام آباد نے شائع کیا ہے اس مجموعہ میں کتاب کا نام، مصنف کا نام، سن اشاعت، ناشر کا نام ومقام وغیرہ کے علاوہ چند سطروں میں کتاب کا خلاصہ یا عنوانات کہ جن کا تذکرہ اس کتاب میں ہوا درج ہے۔

دوسرا مجموعہ جو میرے پیش نظر ہے وہ دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان کی کراچی کی شائع کردہ ہے جسے سید علی شرف الدین موسوی نے تالیف کیا ہے اس کا سن اشاعت مارچ ۲۰۰۱ء ہے اس کا نام ''معجم کتب ومولفین حیات وقیام امام حسینؑ'' ہے اس میں عربی، فارسی اور اردو زبان میں لکھی

جانے والی کتب کا تذکرہ ہے جس کی تعداد دو ہزار سات سو پچیس (2725) ہے اس میں کتاب کا نام، مصنف کا نام، ناشر اور کتاب کتنے صفحات پر مشتمل ہے درج ہے کتاب کے آخر میں مولف نے بعض مصنفین اور مولفین کے مختصر حالات زندگی بھی تحریر کیے ہیں نیز تین سو باسٹھ مضامین کے حوالہ جات بھی درج ہیں۔

تیسرا مجموعہ کتابیات امام حسینؑ ہے جسے سید جمیل احمد رضوی سابقہ ڈپٹی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لاہور نے مرتب کیا ہے اس میں پاکستان میں شائع ہونے والی کتب کا تعارف کروایا گیا ہے کیونکہ مولف خود لائبریری سائنس کے سینئر اساتذہ میں سے شمار ہوتے ہیں اس لئے اس مجموعہ کو متعلقہ علم کے اصول وقواعد کے مطابق مرتب کیا ہے۔

یہاں چند اہم کتب کا تعارف کروایا جارہا ہے:

کتاب: شہید انسانیت

مصنف: سید العلماء سید علی نقی نقوی

سن اشاعت: ۲۰۰۶ء

بار اشاعت: ہشتم

ناشر: امامیہ مشن پاکستان لاہور

اس کتاب کے مصنف برصغیر کی تاریخ تشیع میں نادر روزگار شخصیت تھے آپ کا شمار ہند و پاک ان جید وممتاز علماء میں ہوتا ہے جو درجہ اجتہاد پر فائز تھے علی گڑھ یونیورسٹی میں ''شعبہ دینیات'' کے ڈی این کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے امامیہ مشن کے بانی تھے تفسیر قرآن مجید کے علاوہ مختلف موضوعات پر کثیر کتب تحریر فرمائیں اس کے علاوہ موصوف اپنی طرز کے بہترین مقرر تھے آپ اپنی زندگی کے آخری ایام میں تین سال پاکستان تشریف لاتے رہے اور ایام عزا میں مجالس سے خطاب کرتے تھے بندۂ ناچیز کو لاہور میں موصوف کی مجالس سننے اور قریب سے زیارت کرنے کا شرف حاصل رہا ہے۔

یہ کتاب واقعہ کربلا کے تیرہ سو برس مکمل ہونے پر یعنی ۱۳۶۱ھ میں لکھی گئی اردو زبان میں لکھی جانے والی امام حسینؑ کی سیرت وسوانح کے موضوع پر ایک مستندترین کتب میں سے ایک ہے یہ اھل زبان کے قلم سے نکلی ہوئی ایک تحریر ہے جس نے اسے مذید مقبول بنادیا ہے اس کتاب کا مقدمہ علامہ سید محمد جعفر زیدی شہید، خطیب جامع مسجد اسلام پورہ نے تحریر کیا ہے اس کتاب می ں امام عالی مقام کے خاندانی پس منظر سے لے کر توابین اور بنی عباس کی حکومت کے قیام تک کے واقعات حالات اور ان کا تجزیہ موجود ہے اس کتاب کے تینتالیس (43) باب ہیں اور آخر میں عالم انسانی کو اصلاح عمل اور اتباع اسوہ حسینی کی دعوت دی گئی ہے حاشیہ پر ضروری حوالہ جات درج ہیں جو کتاب کی تحقیقی حیثیت کو اجاگر کرتے ہیں نمونہ کے طور پر ایک مختصر سا پیرا قارئین کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے:

''حسینؑ اس وقت بھی حسینؑ ہی رہتے کہ جب آپ صرف اپنے تمام اصحاب واعزہ کے ساتھ شہید ہوجاتے اور اپنے جہاد کو اپنی زندگی کے خاتمہ ہی پر ختم کرتے مگر اس وقت حسینؑ میدان جہاد میں اور بھی بلند نظر آئے جب آپ نے اپنی شہادت کے بعد کے لئے اس شہادت کے مقاصد کی اشاعت کا انتظام کی اپنے حرم اور چھوٹے بچوں کو ساتھ لا کر جن میں سے ہر ایک میں فرض شناسی اور حقیقت پروری اس طرح سرایت کئے

ہوئے تھی کہ ابن زیاد کے دربار اور یزید کے قصر میں بھی پسماندگان میں سے کسی ایک متنفس نے اموی حکومت کے سامنے سرتسلیم خم نہیں کیا یعنی وہ بیعت کا انکار جس پر حسینؑ کا سر نیزہ پر پہنچ گیا اب بھی قائم تھا اور اب اس کے علمبردار سید سجادؑ، زینبؑ وکلثومؑ ہی نہیں بلکہ کمسن بچے، فاطمہ، سکینہ اور محمد باقرؑ بھی تھے۔''

کتاب: پیشوائے شہیداں

نام مصنف: سید رضا صدرؒ

مترجم: مولانا محمد عباس قمی

ناشر: امامیہ پبلی کیشنز لاہور

سال: ۲۰۰۱ء

بار اشاعت: سوم

فارسی زبان سے اردو زبان میں ترجمہ کی گئی سید رضا صدر کی کتاب پیشوائے شہیداں کتابیات امام حسینؑ میں ایک گراں قدر اضافہ ہے اس کتاب میں مصنف نے نہ تو تاریخ لکھی ہے نہ واقعہ نگاری سے براہ راست تعلق رکھا ہے بلکہ انھوں نے واقعات کے پردے میں مخفی محرکات اور پوشیدہ مطالب کا تجزیہ کیا ہے سید سجاد رضوی کے بقول جنہوں نے اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے کہ'' لکھنے والے نے اپنی پوری ادبی تخلیقی طاقت کو اس کتاب کی تحریر میں صرف کیا ہے کہ ایک بار فارسی کتاب شروع کر دے تو چھوڑنے کی جی نہیں چاہتا۔۔۔۔۔۔ایسی کتاب اردو میں موجود نہیں اور جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ فارسی یا عربی میں بھی موجود نہیں راقم کی رائے یہ ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ اردو زبان کے کربلائی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ مصنف عزاداری کی اہمیت پر تحریر کرتے ہیں:

''شہید کی عزاداری کرنا اس کی شہادت کو زندہ رکھنا ہے بنت علیؑ کی اسیری نے سید الشہداء کی شہادت کو دوام جاودان عطا کی ہے اگر پیشوائے شہدا کی سوگواری نہ ہوتی تو آج کوئی حسینؑ کا شناسا نہ ہوتا۔۔۔شہیدی عزاداری فرد اور معاشرے کو شہید شناس بنا دیتی ہے۔۔۔شہید کی عزاداری ظالم کے خلاف فطری نفرت کو برانگیختہ کرتی ہے۔۔۔آنسو راہ حسینؑ کی طرف دعوت (کا ذریعہ) ہیں (مگر) یہ دعوت اشک زبان وقلم کا ذریعہ نہیں بلکہ دل کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

کتاب: امام پاک اور یزید پلید

مصنف: مجدد مسلک اھل سنت علامہ محمد شفیع اوکاڑوی

سن اشاعت: ۱۹۹۰ء

بار اشاعت: چہارم

ناشر: جناء القرآن پبلی کیشنز لاہور

یہ اہل سنت کی جانب سے امام عالی مقام کی بارگاہ می ں ایک عقیدت کا اظہار ہے ''یزیدی فرقے'' کے پرچارک محمود احمد عباسی نے خلاف معاویہ ویزید نیز مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب خلافت اور ملوکیت پر تنقید بعنوان تبصرہ محمودی برھفوات مودودی (ان کے دو کتابوں کے جواب

میں) اھل سنت کے خطیب، عالم اور مصنف علامہ محمد شفیع اوکاڑوی نے زیر نظر کتاب تحریر کی ہے اس میں مصنف نے جہاں یزیدی فرقے سے اظہار بیزاری کیا ہے وہاں امام حسینؑ کی عظمت، منزلت، کردار اور قیام کو حق بجانب قرار دیا ہے اھل بیت اطہارؑ سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے موصوف نے قرآنی آیات، احادیث مبارک، تاریخی اور عقلی دلائل سے اپنے موقف کو پیش کیا ہے کتاب کے آخر میں مصنف تحریر کرتے ہیں:

''ان ارشادات مبارکہ کے مطابق ہی اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کی محبت سرمایہ ایمان، ذریعہ

قرب خدا تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وسیلہ نجات ہے چنانچہ اکابر اہل سنت نے بلحاظ مدارج ان کے اسماء مبارکہ خطبہ جمعہ میں داخل فرمائے تاکہ ہر جمعہ کو بر سر منبر اس عقیدہ کا اظہار و بیان ہوتا رہے اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کی محبت و عقیدت مستحکم رہے۔ لہذا جو ان کی ذات اقدس پر نکتہ چینی کرے اور ان کی طرف بغض وحسد، حب جاہ اور ہوس اقتدار کی نسبت کرے اور ان کو باغی، فسادی اور فتنہ پرور قرار دے اور قرآن وحدیث سے ثابت شدہ ان کے

فضائل ومناقب کو محض خیالی مناقب بتائے وہ بلاشبہ اھل سنت و جماعت سے خارج، گمراہ، بے دین اور جہنمی ہے۔''

یہاں تبرکاً چند کتب کے حوالہ جات درج کیے جاتے ہیں:

سخن عشق:

یہ شہید علامہ عارف حسین الحسینی کی مجالس عزا کا مجموعہ ہے جسے العارف اکیڈمی لاہور نے مرتب کیا ہے۔

کتاب: سخن عشق

مرتب وناشر: العارف اکیڈمی لاہور

باراشاعت: اوّل

سن اشاعت: ۱۹۹۶ء

گفتار عاشورا:

یہ آیت اللہ محمود موسوی طالقانی، آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری، آیت اللہ محمد حسینی بہشتی اور ڈاکٹر محمد ابراہیم امینی کی پانچ تقاریر کا مجموعہ ہے ان تقاریر کے موضوعات یہ ہیں:

(۱) جہاد حسینی کے اسباب (۲) کامیاب جدوجہد (۳) جہاد وشہادت (۴) خطبہ اور منبر (دو تقاریر)

تدوین: رضا حسین رضوانی

ترجمہ: مستجاب احمد انصاری

ناشر: جامعہ تعلیمات اسلامی

عنوان عاشورہ:

یہ چھ مقالہ جات کا مجموعہ ہے جس میں آیت اللہ شہید سید محمد باقر الصدر اور شہید آیت اللہ سید محمد حسینی بہشتی کے مقالا جات بھی شامل ہیں یہ

مقالہ جات ان موضوعات پر ہیں:

(۱) امت کے ہزیمت خوردہ اخلاق کی اصلاح (۲) شہادت حسینؑ ایک آگاہانہ اقدام

(۳) سید الشہداءؑ کا کامیاب جہاد (۴) انقلاب کربلا ایک تاریخی جائزہ

کتاب: عنوان عاشورہ

ناشر: دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان کراچی

بار اشاعت: اول

سن اشاعت: ۱۴۲۲ھ

سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ:

یہ علامہ محمد حسین نجفی کی کتاب امام حسینؑ کے حالات وواقعات، خاندانی پس منظر اور کربلا کے واقعات وغیرہ پر ایک مفصل کتاب ہے جس میں مصنف نے قرآن، حدیث اور تاریخی حوالہ جات کو درج کرنے کے بعد اپنا موقف بیان بھی کیا ہے یہ اپنے حوالے سے ایک جامع کتاب ہے گو کہ مصنف کا انداز بیان اور زبان دلکش نہیں ہے بعض افراد نے مصنف کے خیالات سے اختلاف بھی کیا ہے۔

کتاب: سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین

مصنف: علامہ محمد حسین نجفی

ناشر: مکتبہ السبطین سرگودھ

سن اشاعت: ۱۹۷۱ء

بار اشاعت: اول

ذکر حسینؑ:

یہ کتاب ممتاز قانون دان، اسلامی نظریاتی کونسل کے سابقہ رکن اور سابقہ وزیر قانون سید افضل حید ایڈوکیٹ
نے تحریر کی ہے اس میں امام عالی مقام کے حالات، جدوجہد پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے اس میں یہ موضوعات ہیں مصلح، انقلابی یا باغی، آغوش رسالتؐ سے راہ عمل تک، ملوکیت کا عروج وزوال، سفر عشق، مکہ سے کربلا تک، اس میں میں شہداء کربلا کے مختصر حالات زندگی اور اھل بیتؑ کی شان قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔

کتاب: ذکر حسینؑ

مصنف: سید افضال حیدر ایڈوکیٹ

ناشر: دوست پبلی کیشنز

سال اشاعت: ۲۰۰۴ء

بار اشاعت: اول

حسین ابن علیؑ: یہ کتاب بھی سید افضال حیدر ایڈووکیٹ نے تحریر کی ہے اس کتاب میں امام حسینؑ کے دور کے حالات اور امامؑ کے فریضہ پر بحث کی ہے موضوعات میں سے چند ایک یہ ہیں: امر بالمعروف ونہی عن المنکر، ذبح عظیم اور فلسفہ شہادت، علی اور بنوامیہ، قیام حسینؑ کا پس منظر، کربلا، کوفہ اور شام، حضرت ابراہیم سے لے کر امام زمانہؑ تک کا منتخب شجرہ اور اہم افراد شجرہ کے حالات اس کتاب میں جہاں دیگر اردو، فارسی کتب سے مدد لی گئی ہے وہاں برجستہ اشعار کا سہارا بھی لیا گیا ہے مثلاً کتاب کے شروع میں شورش کاشمیری کا یہ شعر درج ہے:

کربلا کا سیدھا سادا مختصر نکتہ ہے یہ
کوئی غاصب مومنوں کا بن نہیں سکتا امام

سیرت سیدالشہداءحضرت امام حسینؑ (دوجلدیں):

یہ کتاب فارسی زبان سے اردو زبان میں منتقل ہوئی ہے جس کی پہلی جلد میں ولادت امام عالی مقامؑ سے لے کر شہادت تک کے واقعات درج ہیں دوسری جلد میں شہدائے کربلا کے حالات اور کربلا کے بعد کے واقعات درج ہیں۔

کتاب: سیرت سیدالشہداءحضرت امام حسینؑ

مولف: عمادالدین اصفہانی عمادزادہ

مترجم: محمد حسین زیدی بارہوی

ناشر: امامیہ پبلی کیشنز لاہور

قرآن اور امام حسینؑ:

استاد محسن قرائتی نے قرآن اور امام حسینؑ کی خوبصورت تطبیق کی ہے نیز کربلا کی تفسیر، امام عالی مقامؑ کا موقف اور امامؑ نے جہاں جہاں قرآن پاک سے استنبداد کیا ہے' تذکرہ کیا ہے شہادت، جہاد، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور نماز کی اہمیت کو قرآن کی روشنی میں کربلا کے میدان جلوہ گر ہوتے دکھایا گیا ہے ناشر نے کتاب کے شروع میں آقائے قرائتی کا ایک خط بھی شامل کیا ہے جس میں مولف نے حوزہ علمیہ کے زعماء سے قرآن مجید سے مذید رجوع کرنے کی درخواست کی ہے یہ کتاب اپنے حوالے سے کتابیات امام حسینؑ میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔

کتاب: قرآن اور امام حسینؑ

مصنف: استاد محسن قرائتی

مترجم: سید محمد علی ترمذی

ناشر: البیان لاہور

سن اشاعت: ۲۰۰۷ء

نوٹ: قارئین کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ موضوع پر کیونکہ بہت زیادہ کتب موجود ہیں اس لئے چند کتب کا انتخاب کیا گیا ہے ورنہ زندگی کم ہے اور امام حسینؑ پر کتب بہت زیادہ ہیں۔

معیارِ شجاعت

جناب پروفیسر سید وزیر الحسن عابدی

شبیرؑ کے ماتم میں آنسو تنویرِ مودّت لے کے چلے
دربارِ رسالتؐ میں پہنچیں گے اجر رسالتؐ لے کے چلے

جب دنیا حق کو بھول گئی پھر یاد دلانے آلِ نبیؐ
اسلام کا پرچم بن کے اُٹھے ایمان کی سیرت لے کے چلے

آئینۂ حیرت تھیں مریمؑ انگشت بدنداں تھے عیسیٰؑ
گہوارۂ طفلی سے اصغرؑ جب عزمِ شہادت لے کے چلے

کاندھے پہ علم لہراتا ہے پاسِ ناموسِ شریعت کا
عباسِ دلاور میداں میں معیارِ شجاعت لے کے چلے

سہ سہ کر وار بچائی ہے اک مشک حقوقِ انساں کی
ہم اس کو بہادر کہتے ہیں یہ عزم یہ ہمت لے کے چلے

یہ زہد و نماز و روزہ و حج، اک چیز کا دامن پاک نہ تھا
جو بزمِ عزا میں شک بھی ہے اخلاص عبادت لے کے چلے

شبیرؑ تھے فاتح کرب و بلا، جب کوفہ و شام کا وقت آیا
زینبؑ کی شجاعت لے کے بڑھے سجادؑ کی ہمت لے کے چلے

وہ علم نبوتؐ کے وارث، تھے شانِ رسالتؐ کے مظہر
جو حق کا اشارہ پا کے اُٹھے منصوبۂ قدرت لے کے چلے

ہم وہ ہیں کہ گر اپنا ساقی میخانہ سجا دے صحرا میں
سدرہ کا فرشتہ عرش بریں سے آیۂ نعمت لے کے چلے

سلام

سید وزیر الحسن عابدی مرحوم

حسینؑ آج ہیں دل تیرے کارواں کی طرف
ہر اک علم کا ہے سجدہ ترے نشاں کی طرف

جنھیں تلاش ہے نورِ ضمیر انساں کی
وہ سر جھکے ہیں ترے نقشِ جاوداں کی طرف

ہوئی ہے عظمتِ مردانِ کربلا روشن
جہاں بھی آئی ہے تاریخ امتحاں کی طرف

خزاں کی زد میں تھا دینِ رسولؐ ورنہ حسینؑ
چمن کو لے کے نہ جاتے کبھی خزاں کی طرف

بدل چکی ہیں صفیں اب اذان دو اکبرؑ!
زمانہ گوش بر آواز ہے اذان کی طرف

حسینؑ لائے تھے کیوں شیرخوار کو ہمراہ
یہاں ہے روئے سخن عقل نکتہ داں کی طرف

اک انقلاب تھا ممکن حسینؑ کے بے شیر!
ہوئے نہ دل متوجہ تری زباں کی طرف

یہ امتحان ہے ورنہ جو چاہے یہ بچہ
ہوا سے تیر پلٹ جائے پھر کماں کی طرف

اٹھی تو حکمِ خدا تھی جھکی تو صبرِ حسینؑ
نگاہ کی تھی جو زینبؑ نے آسماں کی طرف

بھنور کو کاٹ کے لے جائیں گے سفینۂ دل
وہ چند نام جو لکھے ہیں باد باں کی طرف

یہ آج بھول گیا ذوالفقار کو خیبر!
ذرا نگاہ رہے برقِ بے اماں کی طرف

ابھر رہے ہیں باندازِ جور لاکھوں سر
نظر نہیں ہے کسی عدلِ ناگہاں کی طرف

مرے جہانِ نظر میں پھر اشکِ غم اُبھرا
شفق ہے دل کی طرف روشنی ہے جاں کی طرف

لٹا وہ باغ کہ رونا تھا تا ابد اے مرگ
گلوں کا قرض رہا چشمِ خوں فشاں کی طرف

قبول قصرِ رضاؑ میں ہو عابدی یہ سلام
سفر نصیب ہو دربارِ سرداراں کی طرف

سلام بحضور امام عالی مقامؑ

وزیرالحسن عابدی

حسینؑ کے آخری سپاہی، تری ادا میں تھی شانِ حیدرؑ
ترا تبسم ہلالِ جرأت، تری شہادت نشانِ حیدرؑ

نہ رزمِ دنیا، نہ بزم دنیا، نہ جنگِ دنیا، نہ رنگِ دنیا
عیاں تھی عالم پہ ایک جھولے سے منزلِ کاروانِ حیدرؑ

حسینؑ کے بازوؤں کا منبر، مِلا تھا اصغر کی خامشی کو
کہ نصرتِ حق میں حرفِ آخر تھا خطبۂ بے زبان حیدرؑ

سوال میں شانِ بے نیازی، خطاب میں حُسنِ حق طرازی
اس ایک ہچکی کی کوششوں میں، کھنچ آئی روحِ بیانِ حیدرؑ

لبوں پہ خشکی، زباں پہ کانٹے، وہ تپتا صحرا، ہوا خزاں کی
کھلا رہِ حق میں زخم کھا کر وہ غنچۂ بوستان حیدرؑ

لکھا یہ تفسیر کربلا میں، علی اصغرؑ نے لے کے ہچکی،
کہ نقطۂ با کے ساتھ پڑھنا، یہ نکتۂ داستان حیدرؑ

اٹھا لیا نعش بے زباں کو، جلالتِ عرش نے یہ کہ کر
کہ غیرتِ حق کی آبرو ہے، یہ گوہرِ خوں فشانِ حیدرؑ

اُدھر تھے پانی پہ سخت پہرے، ادھر تھے توحید پر وہ خطبے
زمین پہ کوثر بہار ہی تھی، فصاحت تِشنگان حیدرؑ

وہ شخص ہے عابدیؔ کا ہمسر، اسی کی املاک ہیں جناں میں
نصیب ہو جس کو اس جہاں میں گدائی آستانِ حیدرُ

شہادت عظمیٰ

(انتخاب)

از جناب شوکت تھانوی مرحوم

آ اے قلم کہ تجھ کو سعادت عطا کریں
جنبش میں تجھ کو لائیں ترا حق ادا کریں
جس غم میں مبتلا ہیں تجھے مبتلا کریں
تیری زباں سے ذکرِ شاہ کربلا کریں
ذکرِ حسینؑ اصل میں ذکرِ رسولؐ ہے
یہ وہ مماثلت ہے جو سب کو قبول ہے

منزل شناس جن کی قیادت، وہی حسینؑ
وہ سرخرو ہے جن کی شہادت وہی حسینؑ
نازاں تھی جن پہ جن کی امامت وہی حسینؑ
آئینہ جمالِ رسالت وہی حسینؑ
وہ گلستانِ فاطمہ زہرا کا سُرخ پھول!
خوشبو سے جن کی جھومتے رہتے تھے خود رسولؐ

ذی فہم، با شعور، خردمند، بردبار
معصومیت کے ساتھ ابھی سے عجب وقار
عزمِ بلند اور طبیعت میں انکسار
جرأت کا معرکہ ہو تو شمشیرِ آبدار
میزانِ حق پہ ظاہر و باطن تُلا ہُوا!
رکھا ہو جیسے سامنے قرآن کُھلا ہُوا!

معصوم عمر، کھیل کے دن اور یہ شعور
نادانیوں کے دور میں نادانیوں سے دور
اس کمسنی میں اور یہ قرآن پر عبور
نانا بھی دیکھتے تھے نواسے پہ اپنا نُور
کہتے تھے کسب نور کرو نورِ عین سے
میرا حسینؑ مجھ سے ہے میں ہوں حسینؑ سے

کہتے تھے خود رسولؐ کہ بیٹھا ہوں قبلہ رُو
مجھ سا میرے حسینؑ کو پاؤ گے ہو بہو!
عادات میں کہیں سے نہیں فرق موبمو!
دیکھو مرے حسینؑ میں میری ہر ایک خُو
میں خود کو دیکھتا ہوں تو ہوں سر بسر حسینؑ
آئینہ درمیان ہے ادھر میں اُدھر حسینؑ

بچپن کی جیسے میری ہی تصویر ہیں حسینؑ
یہ واقعہ ہے میری ہی تنویر ہیں حسینؑ
میرے ہر اک خواب کی تعبیر ہیں حسینؑ
قرآن میرے لب پہ ہے تفسیر ہیں حسینؑ
پیغام بر ہوں میں میرا پیغام ہیں حسینؑ
انسان کی شکل میں مرا اسلام ہیں حسینؑ

تبلیغ جیتی جاگتی اسلام کی حسینؑ
تردید منہ سے بولتی اوہام کی حسینؑ
تصویر من و عن مرے الہام کی حسینؑ
دراصل آبرو ہیں مرے نام کی حسینؑ
خالق کا مدعا ہے جو انسان دیکھ تُو
جو چاہتا ہوں میں وہ مسلمان دیکھ تُو

انسانیت کے پیکرِ کامل حسینؑ ہیں
ان تک پہنچ کے دیکھ لو منزل حسینؑ ہیں
اب اور کیا کہوں مرا حاصل حسینؑ ہیں
اسلام کا دھڑکتا ہوا دل حسینؑ ہیں
میں خوش اسی پہ تھا مجھے قرآن مل گیا!
نازاں ہوں اب کہ مجھ کو مسلمان مل گیا!

میرے تصورات جسامت میں ڈھل گئے
میرے تخیلات حقیقت میں ڈھل گئے
میرے تمام قول صداقت میں ڈھل گئے
میرے حسینؑ میری رسالت میں ڈھل گئے
قانون کبریا کے یہی اب وکیل ہیں
میرے ہر اک دعوے کی خود یہ دلیل ہیں

خالق نے ان کو بخشا ہے اسلام کا مزاج
قرآن ان کے سر پہ ہے اور ٹھوکروں میں تاج
یہ وہ گدا ہیں جن کو سلاطین دیں خراج
سلطان ہیں قلوب کے ہر دل میں ان کا راج
جو اہل دل نہیں ہے وہ انسان ہی نہیں
چاہے نہ جو انھیں وہ مسلمان ہی نہیں

ادارہ التنزیل
معارفِ قرآن کی تبلیغ وترویج کا مرکز

حقیقی معارفِ قرآن و اہل بیت علیہم السلام سے آگاہی کیلئے

LIKE OUR PAGE

/AltanzilFoundation/
/idara.tanzeel

اس پیج پر ملیں گی آپ کو درج ذیل قرآنی موضوعات پر مفید وعلمی دیدہ زیب پوسٹیں :

- دنیا کے معروف قراء کا تعارف اور ان کی تلاوتیں
- مختلف سورتوں کی تلاوتیں خوبصورت ویڈیوز کے ساتھ
- ماہ رمضان کی فضیلت، اعمال، شب ھای قدر، دعا ومناجات
- عجائبات خلقت
- اخلاقی موضوعات
- قرآنی مختلف دعائیں
- قرآنی پھلوں کا تذکرہ اور خواص
- عفاف وحجاب
- معصومین علیہم السلام کے حالات زندگی وفرامین
- قرآنی سورتوں کا تعارف
- ماہ محرم وصفر سے متعلق مفید معلومات
- ملک عزیز پاکستان کی مختلف مناسبتوں سے متعلق پوسٹیں
- قرآنی پیغامات پر مشتمل "نور کی کرنیں"

+92-322-4148057 idaratanzeel@gmail.com
+92-423-5969264 www.altanzil.net

ممبرشپ فارم

نام: .... ولدیت: ....

پتہ: ....

....

تعلیم: .... پیشہ: ....

فون: .... فیکس: ....

براہ کرم .... سال کے لیے پرچہ میرے نام جاری کردیجیے۔

دفتری استعمال کے لیے

خریداری نمبر: .... تعارف کنندہ: ....

تاریخ اجراء: .... تاریخ اختتام: ....

دستخط سرکولیشن منیجر:

ماہنامہ پیام اسلام آباد
فروغ فکر وآگہی کے لئے

رابطہ دفتر:

البصیرہ شاہ اللہ دتہ ..... اسلام آباد
Po Box # 416, Islamabad
, +92-51-2218005

051 2218005

ویکٹروژن میڈیا، ڈیزائنگ ہاؤس

VECTOR VISION

(VV) IS A COMPLETE GRAPHIC DESIGN MEDIA HOUSE

ویکٹروژن (VV) گرافک ڈیزائنگ ہاؤس، درج ذیل سروسز مہیا کرتا ہے:

- کمپوزنگ
- ویڈیو ریکارڈنگ
- ڈیزائنگ
- ایڈیٹنگ
- پیج میکنگ (صفحہ بندی)
- ہر قسم کی پرنٹنگ
- ملٹی میڈیا

ہماری امتیازی خصوصیات:

- (بروقت، اعلیٰ ترین اور مناسب قیمت)
- آپ کا کام۔۔۔صرف ایک فون کال پر
- 24 گھنٹے میسر
- ہمہ وقت آن لائن سروسز
- مناسب دام
- جدید اور منفرد آئیڈیاز
- اعلیٰ معیار
- برسوں کے تجربات کے حامل پروفیشنلز

خریداری فارم

قارئین کرام!

اگر آپ ماہنامہ پیام کے باقاعدہ خریدار بننا چاہتے ہیں تو یہ فارم پُر کیجئے اور ایک سال کے لئے مبلغ -/1000 روپے بصورت منی آرڈر ماہنامہ پیام کے نام ارسال کیجئے۔

انشاءاللہ ہر شمارہ آپ تک بذریعہ ڈاک پہنچ جایا کرے گا۔

ماہنامہ پیام اسلام آباد

البصیرۃ

Saqib Akbar Albasirah Mukhuwat

+92-342-0759145 +92-51-2218005